15

بقائے زندگی کے لیے ناگزیر

اسلام کا قانونِ جہاد

(محکم دلائل سے اصل حقیقت کا بیان)

ابو عبداللہ

☆۔بقائے زندگی کیلئے ناگزیر۔☆

(۱۵)

اسلام کا قانونِ جہاد

(محکم دلائل سے اصل حقیقت کا بیان)

ابوعبداللہ

(ہمارا عزم)

☆سچائی کی پیروی☆

(WWW.KHIDMAT-ISLAM.COM)

(Email:KHIDMAT777@GMAIL.COM)

(جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں)

نام کتاب: اسلام کا قانونِ جہاد

تالیف: ابوعبداللہ

اشاعت اول: 2025، (ذی الحج:1446ھ)

ہمارا عزم

(۱)۔فرقہ واریت اور تعصب و تنگ نظری سے چھٹکارہ ، (۲)۔اخلاص و سچائی کی ترویج، (۳)۔ قرآن و سنت کے پختہ دلائل کو بنیاد بنانا،(۴)سلف کے فہم سے استفادہ کرنا،(۵)۔احتیاط اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا،(۶)۔اعتدال پر رہنا(۷)۔ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے:'حق اور سچ کو من وعن واضح کرنا''۔

نوٹ

(۱)۔ دیانتداری سے کوشش تو پوری کی گئی ہے کہ سچائی کو واضح کیا جائے۔لیکن انسانی کاوش خطا سے پاک نہیں۔اسلئے اگر کہیں کوئی خطا ہوئی ہوگی تو وہ دانستہ نہیں، بلکہ سہواً ہی ہوئی ہوگی۔لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئے،کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاءاللہ ہم فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

(۲)۔خالق اور اسکی مخلوقات میں سے بہترین ہستیاں انبیاء علیہم السلام سے محبت اور ان کی عزت وتوقیر ایمان کی بنیادی شرط ہے۔مزید یہ کہ اہل تقویٰ صالحین کا ادب واحترام بھی ہم پر لازم ہے۔لہٰذا تصانیف میں ہم نے الفاظ کے چناؤ میں ہر ممکن ادب واحترام (Ethics) کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔لیکن سوشل میڈیا پر موجود مواد کو آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس ضمن میں ہمارے اس مواد میں کوئی بے ادبی پر مبنی قابل اعتراض الفاظ نظر آئیں،تو وہ یقیناً کسی نے ہماری تحریر میں تحریف کی ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں ہم سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

☆ چونکہ اس مسودہ کی پروف ریڈنگ ابھی پوری طرح سے نہیں ہوسکی،لہٰذا الفاظی غلطیوں کیلئے پیشگی معذرت۔

فہرست

☆ ایک اہم جائزہ.....4

☆ سب سے مشکل تقاضا.....5

☆ جہاد کا معنی.....5

☆ جہاد کی اقسام.....6

☆ جہاد بالاعداء/جنگ وقتال.....6

☆ بطورِ امتحان/ کسوٹی.....7

☆ اس مشکل ترین تقاضے پر ترغیب 9

☆ خالق کیلئے قربانی کی چند مثالیں 17

☆ جنگ کی تمنا نہ کی جائے 19

☆ نصرت الٰہی 19

☆ جہاد کی فرضیت 22

☆ جنگ کی غایت.....23

☆ غزوات کی نوعیت اور جنگ بدر کا پس منظر.....31

☆ جنگ: دفاعی یا اقدامی.....37

- صلح جوئی کا حک.....44

- ایمان میں جبر واکراہ.....48

- کفر وشرک کے خاتمے کیلئے جنگ؟.....49

☆ حکام کی سربراہی میں جنگ 54

☆ عصر حاضر میں جنگ کی نوعیت 56

☆ جنگ میں شمولیت کے متبادل جہاد کی شکلیں.....58

☆ جنگ کی شرائط.....59

☆ جہاد اور دہشت گردی (ناحق قتل وغارت) میں فرق.....62

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ.....64

☆ ہماری اہم تحاریر..... 65

☆ ہماری دعوت.....66

☆ ویب سائٹ کا تعارف 67

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء

والمرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

ایک اہم جائزہ

جہاد کا موضوع ایک متنازعہ اور متروک مسئلہ بن چکا ہے۔جس میں کفار کا عمل دخل تو ہے ہی لیکن مسلمانوں کی طرف سے علمی وعملی سطح پر بہت سی کمزوریاں بھی اسکا سبب ہیں۔غلط فہمی کی سب بڑی وجہ اولین درجے میں'' قرآن حکیم'' اور پھر''سنت کے پختہ دلائل'' سے جہاد کی اصل نوعیت کے تعین کا فقدان ہے۔علمی میدان میں جہاد کے حوالے سے بہت سے لوگوں نے کا کیا ہے جس میں درج ذیل کمزرویاں دیکھی گئی ہیں:

(۱)۔اول درجے میں قرآن حکیم کو بنیاد بنا کر جہاد کی نوعیت کو جاننے کی بجائے ضعیف وموضوع بلکہ تاریخی روایات کو بنیاد بنایا گیا ہے، (۲)۔اعتدال کی بجائے کچھ نے تو جہاد میں غلو کیا ہے اور بعض نے (کفار کا حد سے زیادہ دفاع میں) دوسری انتہاء پر جا کر جہاد کا گلا ہی گھونٹ دیا ہے، (۳)۔بعض نے جہاد کی نوعیت پر غلط فہمیوں کی اصلاح میں تو سارا زور صرف کر دیا ہے، لیکن جہاد کو بیان نہیں کیا۔یعنی جہاد کے حوالے سے خالق کا کیا تقاضا تھا، اسے واضح نہیں کیا۔(۴)۔تطبیق نہ کرنا: قرآن حکیم، سنت نبوی ﷺ اور تواتر کی روشنی میں تطبیق کے عمل سے نہ گزرنا۔اس ضمن میں سب سے اہم بات یہی ہے کہ: تطبیق کی جائے اور قرآنی رہنمائی کو حرف آخر سمجھتے ہوئے روایات سمیت دیگر تمام رہنمائی کو قرآن حکیم کی محکم آیات کے تناظر میں سمجھا جائے۔اور اگر بظاہر کوئی بات قرآن حکیم کے برعکس نظر آئے تو اسکی قرآنی احکامات کے تحت تاویل کی جائے، نہ کہ محکم قرآنی آیات کو تاریخی روایات کے زیر اثر تختہ مشق بنایا جائے۔

ان شاء اللہ اس تحریر میں تطبیق کی بنا پر ساری تعلیمات کی بنا پر، بلا تعصب (بے رنگ شفاف عینک سے) قرآن وسنت کی روشنی میں اعتدال پر مبنی اصل مقصود کو من وعن واضح کرنے کی کوشش جائے گی۔ جو کچھ بھی تعلیمات وحی بیان ہوا ہے ان شاء اللہ بے کم وکاست کھول کر پیش کر دیا جائے گا۔

سب سے مشکل تقاضا

اسلام کے جتنے بھی تقاضے ہیں ان میں سے سب سے مشکل تقاضا جہاد (جنگ) ہے۔اسی لئے اجر کے اعتبار سے بھی یہ سب سے بلند مقام (Highest Peak) اور افضل ترین اعمال میں سے ہے ۔قرآن وسنت کی بنیاد پر اس مضمون میں پیش کردہ حقائق سے آگاہی ان شاءاللہ اس سب سے مشکل تقاضے کیلئے حوصلے اور ہمت کا یقینی باعث بن کر ایمان کی بقا کا موجب ثابت ہوگی۔

جہاد کا معنی

جہاد کا معنی کوشش کرنا ہے یعنی: گناہوں سے بچنے، نیکیاں کرنے، دعوت واصلاح، برائی کے خاتمے کی کوشش کرنا جہاد ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿ وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ (الحج:78:22)

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

یہاں جہاد سے مراد جہاد بالنفس یا میدان دعوت میں سچائی کے ابلاغ کی جدجہد ہے۔

﴿وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ o﴾ (سورہ عنکبوت:29: آیت:69)

''اور جنہوں نے کوشش کی ہمارے لئے، ان پر ہم ضرور کھولیں گے اپنی راہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔''

اللہ کی منشا پر ہر دم قائم رہنا اور خواہش ونفس اور دنیا کی رکاوٹوں کو حائل نہ ہونے دینا جہاد ہے۔ جہاد ایک مسلسل عمل ہے جو بندہ مومن کی زندگی کے شب وروز میں جاری وساری رہتا ہے۔ جہاد اصلاً پرامن جدوجہد کا نام ہے جسکی ایک صورت دعوت وتبلیغ ہے۔احادیث کی روشنی میں خواتین اور کمزوروں کیلئے سب سے افضل جہاد حج مبرور کو قرار دیا گیا ہے۔قرآن حکیم میں جہاد عموم کے لحاظ سے کوشش اور جنگ دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔

جہاد کی اقسام

(۱)۔ جہاد بالنفس: نفس کی پاکیزگی کی کاوش کرنا اور اسے معصیت و نافرمانی، سرکشی و بغاوت اور شیطانی اکساہٹوں سے بچانے کیلئے تادمِ مرگ جدوجہد کرنا جہاد بالنفس ہے، ارشاد ہوا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا o﴾ (الشّمس:91:7-10)

''تحقیق فلاح پا گیا وہ شخص جس نے اس نفس کو پاک کرلیا اور نامراد ہو گیا وہ جس نے اسکو آلودہ کیا۔''

یعنی نفس کو لگام ڈالنا انتہائی مشکل کام ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''(بڑا) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔'' (ترمذی:1621)

(۲)۔ ذہنی و دعوتی جہاد: قرآنی احکامات کو سمجھنا، انہیں من وعن تسلیم کرنا اور دوسروں کی اصلاح کیلئے انہیں بے کم و کاست آگے پہنچانا، انذار کرنا اور لوگوں کی اذیتوں اور انکی طرف سے لاحق خطرات کی پرواہ نہ کرنا بہت بڑا جہاد اور بہت مشکل کام ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا o﴾ (الفرقان:25:52)

''تو (اے نبی!) پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانو اور جہاد کرو انکے ساتھ (قرآن سے) بڑا جہاد''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔'' (ترمذی:2174، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۳)۔ جہاد باالاعداء/جنگ وقتال: دین حق کے مخالفین کا سامنا کرنا اور ہر حال میں دین کو محفوظ اور قائم رکھنا۔ یہ جہاد کی خصوصی شکل ہے جو کفار کے ساتھ جنگ کی صورت میں ہے جو کہ خاص مواقع کیلئے ہے۔ جہاد یہ نہیں کہ ہر کوئی ہر کسی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو، بلکہ یہ ایک انتہائی سنجیدہ ذمہ داری ہے جو خاص شرائط وضوابط کے تحت ہے جسکی تفصیل ان شاءاللہ اس تحریر میں بیان کی جائے گی۔

جہاد باالاعداء/جنگ وقتال

یہ جہاد کی وہ شکل ہے جس میں بندہ مومن اپنے رب کیلئے جان کی قربانی پیش کر دیتا ہے۔ جان اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کفار کے خلاف نبرد آزما ہو جاتا ہے۔ اس زمین پر یہ انسان پر سب سے مشکل امتحان ہے جو ایمان کی قوت کے بغیر انسان پر انتہائی ناگوار ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o﴾ (البقرہ:216:2)

''تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا ہے جبکہ وہ تمہیں ناگوار ہے، اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو، اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

یہاں خالق نے ایک طرف تو اس امتحان کے مشکل پہلو اور انسانی طبع پر اسکی ناگواری کو اجاگر کیا ہے اور دوسری طرف اصل حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ زندگی کا خاتمہ تو ایک دن ہو ہی جانا ہے، لہٰذا اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال کر اپنی زندگی کو بچانا سوائے خسارے کے کچھ نہیں۔ جس زندگی کو انسان بچانا چاہتا ہے اس نے ایک نہ ایک دن ہاتھ سے جانا تو ہے ہی، موت کی سختیاں تو انسان نے جھیلنی ہی جھیلنی ہیں، لیکن اگر یہ زندگی اللہ کیلئے چلی جائے تو یہی اصل کامیابی ہے۔

لہٰذا اب ہم اس سب سے مشکل کام کے اہم پہلو کھولتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

بطورِ امتحان/ کسوٹی

اس ضمن میں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ جب تک اللہ کیلئے ''**مال**'' سمیت دیگر محبوب چیزیں (اشیاء، وقت، جان، صلاحیتیں) خرچ نہ کریں گے بات نہ بن پائے گی، پروردگار نے فرمایا:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:92)

''تم ہرگز نہیں پا سکتے نیکی کو جب تک کہ تم خرچ نہ کر دو اس میں سے جسے تم محبوب رکھتے ہو۔''

مزید یہ کہ امتحان کی اس چند روزہ عارضی زندگی میں خالق نے دنیوی مصائب: تنگدستی، بیماری.... اور جہاد کو انسان کے ایمان کی جانچ پرکھ کیلئے بطور ٹسٹ/ کسوٹی بھی استعمال کیا ہے اور ان میں جہاد سب سے مشکل امتحان ہے، ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ o﴾ (آل عمران:142:3)

''کیا خیال کرتے ہو تم کہ یونہی داخل ہو جاؤ گے جنت میں۔ حالانکہ ابھی تک نہیں جانچا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے تم میں سے اور وہ جانچنا چاہتا ہے ثابت قدم رہنے والوں کو۔''

پختہ ایمان ہی اس مشکل ترین امتحان پر رغبت کا باعث ہے، جبکہ ناقص و کمزور ایمان والا شخص اس تقاضے پر فیل ہو جاتا ہے:

﴿رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ یَّنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ نَظَرَ الۡمَغۡشِیِّ عَلَیۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ فَاَوۡلٰی لَهُمۡ o﴾ (سورہ محمد: 20:47)

''تو دیکھا تم نے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری تھی کہ وہ دیکھتے ہیں تمہاری طرف ایسے جیسے دیکھتا ہے وہ شخص جس طاری ہو گئی ہو بے ہوشی موت کی، سو افسوس ہے انکے حال پر۔''

اگر خالق کی معرفت اور دنیا و آخرت کی حقیقت انسان پر واضح نہ ہو تو یہ بیان کردہ صورت حال بالکل عین فہم ہے۔ لیکن حقیقت سے آشنائی سے صورتِ حال یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اللہ کے ہاں تو صرف وہی ایمان قابل قبول ہوتا ہے جس میں ایمانی تقاضوں کو ترجیح اول بنا کر دنیا و نفس کے تقاضوں کو خالق کے تقاضوں کے نیچے کر دیا جائے۔ انسانی طبع پر اس سب سے مشکل تقاضے کو خالق نے بڑے دوٹوک الفاظ میں یوں واضح کر دیا ہے:

''(اے نبی) فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں۔ تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تمہاری تجارت جسکے مندے سے تم ڈرتے ہو اور تمہاری وہ حویلیاں (مکانات بنگلے) جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ سب تمہیں اللہ سے، اسکے رسول سے اور اسکی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو پھر تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ لے آئے اپنا فیصلہ (عذاب) اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (توبہ: 24:9)

سورہ توبہ کے سیاق و سباق کے تحت یہاں جہاد سے مراد محض جدوجہد نہیں بلکہ جنگ ہی ہے۔

اور پھر بہت دوٹوک الفاظ میں حقیقی ایمان کو یوں واضح کر دیا گیا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ o﴾ (الحجرات:15:49)

''یقیناً مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسول پر، پھر شک میں مبتلا نہ ہوئے، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور جانوں سے اللہ کی راہ میں، یہی وہ لوگ ہیں جو (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔''

اگر حقیقی ایمان نصیب ہوجائے تو اپنے خالق و مالک کی منشاء اور اسکی رضا مندی کیلئے تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن اسکے برعکس نفاق ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص فوت ہوگیا (اس حالت میں) کہ نہ (تو) جہاد کیا اور نہ ہی دل میں جہاد کا ارادہ کیا (تو) وہ نفاق کی قسم پر مرا۔'' (مسلم:4931)

اس مشکل ترین تقاضے پر ترغیب

چونکہ ظلم کے خاتمے اور ایمان کی بقا کیلئے جہاد ناگزیر ہے، اسلئے اس مشکل ترین کام پر رغبت کیلئے:

(۱)۔ جہاد کرنے کا خالق نے خود تقاضا کیا ہے، (۲)۔ اس کام کا عظیم صلہ بتلایا گیا ہے اور (۳)۔ دنیا کی حقیقت کھولی گئی ہے کہ جس چند روزہ زندگی کو بچانے کیلئے انسان اللہ کے تقاضے سے گریز کرتا ہے، اس زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے؟

(۱)۔ <u>جہاد کا تقاضا:</u> خالق نے حکم دیا ہے رسول اللہ ﷺ کو جہاد پر ترغیب کا، ارشاد فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ o﴾ (انفال:65:8)

''اے نبی! اہل ایمان کو جہاد پر رغبت دلاؤ۔ تم میں سے اگر بیس ثابت قدم ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے، اور اگر سو ایسے ہوں گے تو ان کافروں کے ہزار پر بھاری رہیں گے، اسلئے کہ یہ (کفار) بصیرت سے محروم لوگ ہیں۔''

ایمانی قوت اور بصیرت کی بنا پر انسان جنگ میں دائیں بائیں اللہ کے لشکروں کی تائید پاتا ہے جو

اسے صبر واستقامت کا پیکر بنا کر ایک کو دس پر بھاری کر دیتی ہے۔

لیکن اسکے بعد جب نئے لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انکی بصیرت اور ایمانی جذبہ ''السابقون الاولوں'' کی طرح نہ تھا، اسلئے ان پر بوجھ ہلکا کر دیا گیا اور (2:1) کی نسبت کر دی گئی۔ یعنی ایک مسلمان دو کافروں پر بھاری ہوگا (الانفال:66:8)۔

اور پھر اسی آیت کریمہ کے اگلے حصے میں جنگ میں اپنی خاص مدد کی بشارت کا عندیہ دے کر جنگ کیلئے ترغیب دلائی ہے۔ مزید فرمایا:

﴿... وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْo﴾

(سورہ محمد:38:47)

''سو اگر تم منہ موڑو گے (انفاق اور جنگ سے) تو وہ لے آئے گا تمہاری جگہ اور لوگوں کو، پھر نہ ہوں گے وہ تم جیسے۔''

مزید یہ کہ جب میدان میں اترا جائے تو پھر پیٹھ نہیں پھیرنی، بھاگنا نہیں:

''اے اہل ایمان جب تم ایک منظّم فوج کی صورت میں ان کافروں کے مقابلے میں آؤ تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ، اور (جان لو کہ) جس نے اس موقع پر پیٹھ دکھائی الا یہ کہ جنگ کیلئے پینترا بدلنا چاہتا ہو یا اپنی فوج کے کسی دوسرے حصے سے ملنا چاہتا ہو تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اسکا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' (الانفال:8:15-16)

کیونکہ اس بزدلی کی بنا پر میدانِ جنگ سے بھاگنا بسا اوقات پوری فوج بلکہ پوری ملت کیلئے شدید خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔

(۲)۔ <u>جہاد کا عظیم صلہ</u>: جان و مال کی یہ عظیم قربانی دوزخ سے نجات کی یقینی ضامن ہے، ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ o تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo﴾ (الصّف:61:10-11)

''اے اہل ایمان کیا میں بتاؤں تمہیں وہ تجارت جو نجات دلا دے تمہیں دردناک عذاب

سے۔(تو) ایمان لاؤ تم اللہ پر اور اسکے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جان جاؤ۔''

اس سب سے بڑی قربانی کا صلہ بلاحساب کتاب جنت ہے:

''یقیناً خرید لئے ہیں اللہ نے مومنین سے انکی جانیں اور انکے مال جنت کے بدلے میں۔(یہ مومن) جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور شہید ہوتے ہیں۔ یہ (جنت کا) وعدہ اللہ کے ذمے ہے جو برحق ہے (جو کیا ہے وعدہ اس نے) تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں اور کون ہے زیادہ پورا کرنے والا اپنے عہد کو اللہ سے بڑھ کر۔ سو خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے، اور یہی ہے سب سے بڑی کامیابی۔'' (التوبہ::111)

جو اللہ کی خاطر شہید ہو گئے وہ امر ہو گئے، ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ o﴾ (البقرہ:2:154)

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تمہیں اسکا شعور نہیں۔''

اس عظیم صلے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

☆ ''خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی شہید کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے'' (ترمذی:1663)

☆ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوا، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوا وہ بروز قیامت اسطرح آئے گا کہ اس کے زخموں سے خوب بہہ رہا ہوگا، اسکا رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی خوشبو ہوگی۔'' (بخاری:2803)

☆ ''اللہ کی راہ میں گزرنے والی ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔''

(بخاری، کتاب الجہاد والسیر)

☆ ''دشمن سے حفاظت کیلئے سرحد پر ایک دن کا قیام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' (بخاری:2735)

☆ ''سب سے بہتر اسکی زندگی ہے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہے، جب کوئی خوفناک آواز سنتا ہے یا کوئی خوف کی حالت میں اسے کوئی بلاتا ہے تو اُڑ کر پہنچ جاتا ہے۔ قتل وموت کو اسکی جگہوں میں تلاش کرتا ہے (یعنی موت کی جگہوں سے نہیں ڈرتا)۔ یا (پھر) اسکی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی یا کسی وادی میں رہتا ہے، وہاں نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا ہے۔'' (مسلم، کتاب الامارہ۔ باب فضل الجہاد)

☆ مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے: اسلام (یعنی توحید ورسالت) کو دین کا ''سر'' اور نماز کو دین کا ''ستون'' اور دین کے کوہان کی بلندی ''جہاد'' کو قرار دیا....''

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان، مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

یعنی دین کی عظمت وشوکت، ترقی ووسعت کا انحصار ''جہاد'' پر ہے خواہ وہ جہاد: قلم سے ہو، زبان سے ہو، عمل سے ہو یا میدان جنگ میں اسلحہ سے ہو۔ اگر جہاد کو اہل اسلام کے ملی وصف سے خارج کر دیا جائے تو دین ایک بے اثر ڈھانچہ بن کر رہ جائے۔

(۳)۔ <u>دنیا کی حقیقت:</u> خالق کی اس مشکل ترین کال پر لبیک پر رغبت کیلئے دنیا کی حقیقت کو کھولا گیا ہے، فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۝﴾ (آل عمران:3: آیت:185)

''ہر جان کو چکھنا ہے ذائقہ موت کا اور دیئے جائیں گے تمہیں پورے اجر تمہارے اعمال کے بروز قیامت۔ پس جو بچا لیا (اس دن) آگ سے اور داخل کر دیا گیا بہشت میں تو پس ہو گیا وہ کامیاب۔ <u>اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر نرا ہی دھوکے کا سامان۔</u>''

اس ضمن میں بہت واضح رہنمائی یوں فرمائی گئی:

''اے اہل ایمان تمہیں کیا ہو گیا ہے، جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر گرے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کی (ابدی) زندگی کو چھوڑ کر دنیا کی (چند روزہ) زندگی پر راضی ہو گئے ہو اور (جبکہ) نہیں ہے دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں مگر بہت ہی کم۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (التوبہ:9:38-39)

یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جب جہاد کا تقاضا آ جائے، جب جہاد فرض ہو جائے تو پھر نکلنا لازم ہے۔

اسی ضمن میں مزید حقیقت یوں کھولی گئی:

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ (جنگ) سے روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو اب ان میں سے ایک گروہ لوگوں (یعنی دشمن) سے یوں ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے کیوں ہم پر لڑنا فرض کر دیا، کیوں نہ ہمیں کچھ مدت کیلئے مزید مہلت دی۔ (اے نبی) ان سے کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو بہت تھوڑا ہے اور آخرت پرہیزگاروں کیلئے بہت بہتر ہے، اور ایک دھاگے کے برابر بھی تم سے بے انصافی نہیں کی جائے گی۔'' (النساء:4:77)

مزید فرمایا:

﴿ وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ o ﴾ (عنکبوت:29:64)

''اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور یقیناً آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی ہے، کاش تم جان جاتے۔''

یعنی دیکھتے ہی دیکھتے اس زندگی نے بھی تماشے کی طرح بہت جلد ختم ہو جانا ہے اور پھر آخرت کی ابدی زندگی شروع ہو جانی ہے۔

یک بندہ مومن نے اپنی قوم کو نصیحت کی یوں فریاد کی:

﴿ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۝﴾

(المومن:40:آیت:39)

''اے قوم! دنیا کی زندگی تو نہیں مگر سوائے متاع کے اور یقیناً آخرت ہی ٹھرنے کی جگہ ہے۔''

یہاں دنیا کو متاع اور آخرت کو دارلقرار کہا گیا ہے۔ وہ چیز جو بہت عارضی طور پر دی جائے اور جلد واپس لے لی جائے وہ متاع کہلاتی ہے۔ یا وہ چیز جس کے اپنا ہونے کا گمان ہو لیکن وہ انسان کی اپنی ملکیت نہ ہو وہ متاع کہلاتی ہے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے انسان کا بچپن، جوانی، وقت..... سب اس کے ہاتھ سے چھنتا جاتا ہے۔ اسکے برعکس آخرت دارلقرار یعنی جائے مقام، رہنے اور ٹھرنے کی جگہ ہے۔

اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے بہت زبردست رہنمائی ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال اسی طرح ہے، جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر اس بات کا جائزہ لے کہ اس پر کتنا پانی لگا ہے۔''

(مسلم، کتاب الجنہ واصفہ)

<u>موت کے متعلق حقائق:</u> اسی ضمن یعنی جہاد پر ترغیب میں خالق نے موت کے متعلق حقائق کھولے ہیں کہ موت نے تو اپنے وقتِ مقررہ پر آ ہی جانا ہے خواہ ہم کتنا ہی زندگی کو بچانے کی کاوش کر لیں:

﴿اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ﴾(النساء:4:78)

''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تو تمہیں آ پکڑے گی گو کہ ہو تم مضبوط قلعوں میں''

اور جب قاصد آ گیا تو کوئی بھی رکاوٹ نہ بن سکے گا:

﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

''جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ موخر نہیں ہو سکتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اسکی پوری خبر ہے۔'' (المنافقون:11)

مزید فرمایا:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُo﴾ (سورہ ق:19)

''اور موت کی بیہوشی حق کے ساتھ آ ہی پہنچی، یہ ہے وہ چیز جس سے تم بھاگتے تھے''

یہ وہ اٹل حقیقت ہے جس نے عین اپنے وقتِ مقررہ پر ہی آنا ہے:

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَo﴾ (الاعراف:34)

''اور ہر گروہ کے لیے ایک معیاد معین ہے، پھر جب ان کی موت کا وقتِ مقرر آ جائے گا، اس وقت وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے''

دنیا کی حقیقت تو یہ ہے کہ: جونہی وقت گزر کر ماضی کا حصہ بن جائے تو وہ خواب محسوس ہونے لگتا ہے۔ سابقہ گزری ہوئی زندگی پر نظر دوڑائی جائے تو گزری کوئی ساری زندگی پل بھر ہی محسوس ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو وقت آگے رہ گیا ہے اس نے بھی بہت جلد گزر جانا ہے، پھر یہ حقیقت بروز قیامت اچھی طرح کھل جائے گی۔ اس دن انسان اپنی دنیا کی زندگی کی بابت خود اقرار کرے گا:

﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَاo﴾ (النازعات:46)

''جس روز دیکھیں گے وہ قیامت کو تو ایسا لگے گا گویا نہیں رہے وہ دنیا میں مگر ایک شام یا ایک صبح''

یہی اصل حقائق ہیں جو اللہ کیلئے قربانی کی ترغیب کا باعث بنتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی حقیقت اور خالق کی معرفت اور رب پر پختہ ایمان ہی اس مشکل ترین تقاضے پر ہمت کا ذریعہ ہے۔ یہ سب سے مشکل تقاضا صرف اور صرف خالق کیلئے کیا جا سکتا ہے اور خالق کی معرفت و عظمت بندہ مومن کیلئے سب سے بڑا محرک ہے۔ اگر حقیقی ایمان نصیب ہو جائے تو اپنے خالق و مالک کیلئے تن من دھن قربان کرنا کچھ بھی مشکل نہیں رہتا۔

<u>تین خوف</u>: اس ضمن میں انسان کو تین خوف لاحق ہوتے ہیں: (۱)۔ زندگی ختم ہونے کا خوف: خالق کی معرفت، ایمان کی پختگی اور دنیا و آخرت کی حقیقت کی بنا پر یہ خوف تو مکمل طور پر جاتا رہتا ہے۔ (۲)۔ جان کی تکلیف کا خوف، اور (۳)۔ فیملی کے متاثر ہونے کا خوف۔

دوسرا اور تیسرا خوف تو نزع تک رہتا ہی ہے، لیکن اللہ پر پختہ ایمان اور توکل و تفویض حوصلہ پیدا کر دیتا ہے کہ جس کے لئے جان دی جا رہی ہے وہ ضرور سب کچھ سنبھال لے گا۔

جا ں دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سب سے عظیم موت: زندگی بچ نہیں سکتی۔ایک نہ ایک دن لازماً موت تو آنی ہی آنی ہے۔خواہ بستر پر آجائے، ہسپتال آجائے، حادثے میں، یا بیماری میں.... لیکن سب سے عظیم موت راہِ خدا میں موت ہے۔اسلئے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ اللہ کی راہ میں جانے کا جذبہ ہونا چاہئے۔جو اللہ کی خاطر شہید ہو گئے وہ تو درحقیقت مر کر زندگی پا گئے، ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ o﴾ (البقرہ:154:2)

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تمہیں اسکا شعور نہیں۔''

اللہ کیلئے مرنے کا کیا مقام ہے، رسول اللہ ﷺ سے بیان کردہ حقائق پر غور فرمائیں:

☆ ''خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی اسکی مغفرت کر دی جاتی ہے اور وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے'' (ترمذی:1663)

☆ ''کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو جنت میں داخلے کے بعد دنیا میں واپس آنا پسند کرے خواہ اسے ساری دنیا ہی مل جائے، سوائے شہید کے، مگر شہید پھر دنیا میں آنا چاہے گا کہ جب وہ اللہ کے ہاں شہادت کی فضیلت دیکھے گا تو چاہے گا کہ دنیا میں دوبارہ آئے اور پھر شہید ہو (اللہ کی راہ میں)۔'' (بخاری:2817، 2795)

آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

☆ ''میری تو خوشی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔'' (بخاری:2972)

قرآن حکیم نے اپنے رب کیلئے آپ ﷺ کی قربانی کو یوں واضح کیا:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o﴾ (انعام:162:6)

''(اے نبی) فرما دیجئے یقیناً میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اس اللہ کیلئے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔''

بقول علامہ اقبالؒ:

شہادت ہے مطلوب ومقصود ومومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

پس یہی وہ حقائق ہیں جو مرنے کی راہ میں حائل سارے خوف وخدشات کو ختم کر دیتے ہیں۔

خالق کیلئے قربانی کی چند مثالیں

بطور نصیحت قرآن حکیم میں بیان کردہ متعدد مثالوں میں سے صرف تین مثالیں ملاحظہ فرما کر اپنے ایمان کو تازگی بخشیں:

(۱)۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے جب ان کے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کا تقاضا کیا تو انہوں نے بلا جھجک فوراً اپنے آپ کو اللہ کیلئے پیش کر دیا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۝﴾ (الصافات:102:37)

''پھر جب وہ (اسماعیلؑ) اپنے (والد ابراہیمؑ) کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو (ابراہیمؑ) نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو دیکھ بتا تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا اے باپ کر گزریئے جو آپ کو حکم ہوا ہے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔''

(۲)۔ اصحاب کہف کو اللہ نے ہمت دی اور انہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر حاکمِ وقت دقیانوس کے دربار میں اعلی الاعلان اسکے باطل خدائی دعوے کا برملا انکار کر دیا:

''اور مضبوط کر دیئے تھے ہم نے انکے دل جب وہ کھڑے ہوئے (بادشاہ کے روبرو) اور انہوں نے کہا ہمارا رب تو وہی ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ ہرگز نہیں پکاریں گے ہم اسکے سوا کسی اور معبود کو...'' (الکھف:14:18)

(۳)۔ اسی طرح فرعون کے جادوگروں پر جب اللہ کی حقیقت واضح ہوگئی تو انہوں نے فوراً فرعون کی غلامی کا انکار کر دیا اور تائب ہوگئے۔ اس پر فرعون نے جب انہیں اذیت ناک طریقے سے قتل کرنے کی دھمکی دی تو انہوں نے یوں دلیری دکھائی، وہ بولے:

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَ نَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا o اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَلَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَآ اَکْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰیo﴾ (طٰہٰ:20:72-73)

''انہوں نے کہا ہرگز نہیں ترجیح دے سکتے ہم تمہیں اس پر جو آ گئی ہیں ہمارے سامنے روشن نشانیاں اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، سو جو تم نے کرنا ہے کر لو۔ اور تُو تو فیصلہ کر سکتا ہے بس اس دنیاوی زندگی کا۔ یقیناً ہم تو ایمان لے آئے ہیں اپنے رب پر تا کہ وہ معاف کر دے ہماری خطائیں اور یہ جرم جس پر مجبور کیا تھا تو نے ہمیں یعنی جادوگری، اور اللہ ہی ہے سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا۔''

مزید یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جذبہ جہاد کس عظیم نوعیت کا تھا، ملاحظہ کریں:

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بابل کا محاصرہ کیا تو مقوقس نے دو قاصد ان کے پاس بھیجے۔ یہ قاصد اسلامی لشکر کے ساتھ دو دن رہنے کے بعد جب مقوقس کے پاس واپس پلٹے تو انہوں نے مسلمانوں کے متعلق حسب ذیل رپورٹ پیش کی:

''ہم نے ایسی قوم دیکھی ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کو: موت زندگی سے زیادہ عزیز ہے اور عاجزی و تواضع انہیں (اظہار) بلندی سے زیادہ پیاری ہے، ان میں سے کسی ایک کی بھی دنیا میں نہ رغبت ہے نہ چاہت، وہ زمین پر بیٹھتے ہیں اور ان کا کھانا اپنے گھٹنوں (یعنی زمین) پر ہی ہے، ان کا امیر انکے عام شخص کی مانند ہے، ان کا بلند رتبہ شخص انکے ادنیٰ رتبے والے شخص سے ممیّز نہیں اور نہ آقا کی غلام سے شناخت کی جا سکتی ہے، جب نماز کا وقت آ جائے تو ان میں سے کوئی بھی اس سے پیچھے نہیں رہتا، وہ اپنے اعضاء کے کناروں کو پانی سے دھوتے ہیں اور نماز میں خوب خشوع کرتے ہیں۔''

یہ سن کر مقوقس نے کہا:

''جس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے، اسی کی قسم! اگر یہ لوگ پہاڑوں کے سامنے آجائیں، تو انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دیں، ان لوگوں سے لڑنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔'' (فتوح مصر واخبارہ، ص۔53، کتاب المواعظ والاعتبار: 290/1)

<u>جنگ کی تمنا نہ کی جائے:</u> ان سب حقائق کے باوجود اسلام نے جنگ کی بجائے امن کی حالت کو پسند فرمایا ہے اور ہر ممکن جنگ میں صلح جوئی کے انتخاب کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے دوران جنگ صحابہؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! دشمن کے ساتھ جنگ کی تمنا دل میں نہ رکھا کرو بلکہ اللہ سے امن وعافیت کی دعا کیا کرو، البتہ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو ہی جائے تو پھر صبر واستقامت کا ثبوت دو، یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے یوں دعا کی: اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، بادل بھیجنے والے، احزاب (دشمن کے دستوں) کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور دشمن کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔'' (بخاری: 2966)

یعنی جہاں تک ممکن ہو جنگ کو ٹالا جائے، کیونکہ امن وصلح ہی وہ سبیل ہے جس سے دنیوی عافیت سمیت دعوت واصلاح کے مواقع میسر آتے ہیں جو انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر اجالوں کی طرف لانے کا موجب بنتے ہیں۔ تاہم اگر جنگ ٹلنے کو کوئی صورت نہ ہو تو پھر زندگی بچانے کی فکر میں پیچھے نہیں رہنا، بلکہ پوری قوت اور جذبے سے آگے بڑھنا ہے۔ پھر یہ ذہن میں رکھنا ہے کہ جنت کوئی سستا سودا نہیں بلکہ جنت مالی وجانی قربانی کے عوض ہے۔

نصرت الٰہی

جنگ میں اللہ کی مدد اور فتح کیلئے درج ذیل چار چیزیں انتہائی ضروری ہیں:

(i)۔ایمانی قوت، (ii)۔صبر واستقامت ، (iii)۔دفاعی تیاری، اور (iv)۔منصوبہ بندی/ حکمت وتدبیر۔

سب سے قوی ذات یعنی خالق پر پختہ ایمان اور اسکی بدولت ملنے والا صبر واستقامت ہی درحقیقت

مادی وسائل میں کمی کا اولین مداوا بنتا ہے۔یہی سب سے بڑی طاقت ہے جو کم تعداد اور کم وسائل کے باوجود بھی اہل ایمان میں حوصلہ وہمت پیدا کرنے کا موجب بن کر کفار کو مغلوب کر دیتی ہے۔یہ اہل ایمان کا ہی خاصہ ہے جبکہ کفار اس عظیم دولت سے محروم ہیں۔اس ضمن میں قلیل تعداد اور کم وسائل کے حوالے سے یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ: پیغمبر کی موجودگی میں میدان جنگ میں اہل ایمان کی تائید ونصرت یقینی ہوتی ہے۔پیغمبر اور انکے ساتھی بھی حتی الامکان تیاری کرتے ہیں،لیکن پھر بھی اگر کوئی کسر رہ جائے تو خالق آسمانی فوج کے ذریعے پوری فرما دیتا ہے۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ آج بڑی قوتوں سے ٹکرانے کیلئے تیاری کی کوئی خاص ضرورت نہیں تو یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔جذبات میں آکر بغیر پوری تیاری جارحانہ کاروائی کرنا خود اپنی ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ہاں اگر دشمن حملہ کر دے تو پھر تو اللہ پر بھروسے کی بنا پر تو جیسے تیسے مقابلہ کرنا ہی کرنا ہے۔لیکن ایسا جذبہ جہاد جسکی تیاری اور کامل منصوبہ بندی نہ کی جائے وہ فائدے کی بجائے نقصان کا موجب بنتا ہے۔پس جہاد کیلئے: (i)۔اعلیٰ تعلیمی قابلیت، (ii)۔عصری علوم اور جدید ٹیکنالوجی پر دسترس، (iii)۔ایمان واخلاق کی پختگی، اور (iv)۔دینی اور سماجی اتحاد ویکجہتی کا ہونا ناگزیر ہے۔جب تک امت کی صفوں میں اتحاد نہ ہو۔جب تک وہ اللہ کی رہنمائی کی روشنی میں یک جان وقالب نہ ہو جائیں،اس وقت تک جہاد کی کوئی بھی کاروائی قبل از وقت ہوگی، بلکہ وہ امت کے انتشار میں اضافہ کرے گی اور اسکی رہی سہی توانائیاں بھی ختم کر دے گی۔بچنے کیلئے امت کو جسد واحد بننا ہوگا۔

ہر زمانے کا جہاد اس زمانے کے ہتھیاروں سے ہوتا ہے،اس زمانے کا ہتھیار سائنس وٹیکنالوجی ہے جس سے کافر پوری طرح لیس ہیں۔لہٰذا اس سے بے تعلق رہ کر مسلح جہاد کی پلاننگ کرنا نادانی ہے۔

پس!اسباب کے تحت بھرپور تیاری بھی لازم ہے۔زمانے کے تقاضوں کے مطابق اہل ایمان کو بھرپور تیاری کرنا ضروری ہے۔کفار کی طرف سے ظلم وعدوان کے باوجود جہاد کی فرضیت کیلئے یہ ضروری ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی حربی قوت ایک خاص حد تک پہنچ جائے۔آپ ﷺ کے زمانے کے بعد دو کفار کے مقابلے میں ایک اہل ایمان (2:1) کی نسبت مقرر کی گئی تو اب اس سے بہتر تو نہیں ہوسکتی۔لہٰذا اس ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے اخلاقی وجود کو محکم رکھنے کے ساتھ ساتھ حربی قوت بھی بڑھانی ہوگی۔جہاد کی

تیاری کا یوں حکم دیا گیا:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○﴾ (انفال:60:8)

''اوران (کفار سے) مقابلے کیلئے تم سے جس قدر ہو سکے (ہتھیاروں اور آلات جنگ کی) قوت مہیا رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑوں کی (کھیپ بھی) اور اس (دفاعی تیاعی) سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو (اپنے اوپر حملہ آور ہونے سے) ڈراتے رہو اور ان کے سوا دوسروں کو بھی (جن کی چھپی دشمنی) کو تم نہیں جانتے، انہیں اللہ جانتا ہے، اور تم جو کچھ (دفاعی تیاری میں) اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تمہیں اسکا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم سے ناانصافی نہ کی جائے گی۔''

اسی آیت کریمہ کت تحت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تم انکے مقابلے میں جس قدر ہو سکے طاقت وقوت تیار رکھو (انفال:٦٠)، سن رکھو! قوت وطاقت پھینکے ہوئے ہتھیاروں (تیراندازی) میں ہے، سن رکھو! قوت وطاقت پھینکے ہوئے ہتھیاروں (تیراندازی) میں ہے، سن رکھو! قوت وطاقت پھینکے ہوئے ہتھیاروں (تیر اندازی) میں ہے۔'' (صحیح مسلم:4946)

یعنی تین مرتبہ متنبہ کر کے تاکید کی گئی ہے پھینکے گئے ہتھیاروں کے ذریعے جنگی قوت تیار رکھنے کی۔ اُس زمانے میں پھینکے گئے ہتھیاروں سے مراد ''تیراندازی'' تھی جبکہ آج اس سے مراد: میزائل، بمب، گولی..... وغیرہ ہے۔

اس ضمن میں درج ذیل آیت کریمہ بھی راہنما ہے:

﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○﴾ (توبہ:46:9)

''اور اگر ان (منافقین) کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اسکے لئے تیاری کرتے۔ لیکن اللہ نے (جہاد

کیلئے) انکا نکلنا پسند نہیں فرمایا، اسلئے انہیں روک دیا گیا، اور انہیں کہہ دیا گیا کہ تم بھی عذر والوں کے ساتھ بیٹھے رہ جاؤ۔''

یہاں بہت سے حقائق واضح کئے گئے ہیں یعنی: (i)۔ جہاد ایمان کیلئے کسوٹی ہے، (ii)۔ جنہیں اللہ کے تقاضوں کی پروا نہیں تو اللہ بھی انہیں خیر سے محروم کر دیتا ہے، اور (iii)۔ جس میں جہاد کا جذبہ ہوگا تو وہ اسکی فکر، اسکی تیاری ضرور کرے گا۔ پس امت مسلمہ کی قومی بقا کیلئے جہاد کی تیاری کرنا ناگزیر ہے۔ اس ضمن میں دورِ حاضر میں حکومتی سطح پر منظّم فوجی نظام موجود ہے۔ تاہم رضا کارانہ طور پر اسلامی حکومت کے تقاضے پر سول لوگ جہاد میں شامل ہوں گے۔ اسلئے عام لوگوں میں بھی جہاد کا جذبہ اور تقاضے کے تحت کال کیلئے بھرپور آمادگی ضرور ہونی چاہئے۔

کفر اور غلبہ کفر کو ختم کرنے کیلئے: دعوت دین کا جذبہ، تعلیم و تربیت کا زبردست انتظام اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پاسداری ناگزیر ہے۔ جب ہم خود ہی اخلاقی دلدل میں غرق ہو چکے ہوں گے تو کس کے خلاف جہاد ہوگا....؟

جہاد کی فرضیت

جہاد کا جذبہ تو ہر اہل ایمان میں بھرپور ہونا چاہئے، لیکن یہ ایسا فریضہ نہیں جسے پورا نہ کرنے پر ہر انسان مجرم قرار پائے گا۔ خواتین، بچے، بیمار اور بوڑھے تو جنگ سے مستثنیٰ ہیں۔ جہاد میں عملاً حصہ نہ لینا صرف اس وقت جرم قرار پائے گا جب ''نفیر عام'' ہو جائے۔ یعنی حالات کی سنگینی کے تحت جب ارباب اقتدار ہر مسلمان کو جنگ کیلئے طلب کر لیں۔ ان حالات میں بلا عذر شمولیت نہ کرنا اس وقت یقیناً نفاق جیسا جرم بن جائے گا۔ جن مہمات کیلئے سب اہل ایمان کو نکلنے کی ضرورت نہ تھی وہ درجہ فضیلت سے تو محروم رہے لیکن ان پر گرفت نہ کی گئی۔ یعنی یہ فرض کفایہ کی صورت بنتی ہے، جیسا کہ واضح کیا گیا:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۝﴾ (النساء:4:95-96)

''اہل ایمان میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر میں بیٹھے رہیں اور جو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کریں دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فوقیت دی ہے۔ اور سب سے اللہ کا اچھا وعدہ ہے اور یہ بھی کہ مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں کو ایک عظیم اجر کی فضیلت عطا فرمائی ہے، اُس کی طرف سے درجے بھی اور مغفرت بھی اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔''

جنگ کی غایت

اب ہم یہ جانیں گے کہ جنگ یعنی قتال کی غایت کیا ہے، مقصد کیا ہے؟ جہاد کیوں فرض کیا گیا؟

<u>بنیادی وجہ:</u> امن وامان معاشرتی تمدن کیلئے ناگزیر ہے۔ اسلام امن کا داعی ہے۔ انصاف و دیانتداری امن کا باعث جبکہ ظلم و ناانصافی بے امنی اور فتنہ وفساد کا موجب ہے۔ خالق امن وانصاف چاہتا ہے، جبکہ ابلیس بے امنی، فتنہ وفساد اور قتل و غارت۔ افراد کی سرکشی سے انسانی تمدن کی حفاظت کیلئے تادیب اور سزائیں مقرر کی گئی ہیں، لیکن اگر قومیں بپھر جائیں، فساد پر تُل جائیں تو پھر ہتھیار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ جہاد فی سبیل اللہ کی روح ظلم و بربریت کا خاتمہ کرنا اور نظام عدل وقسط کو قائم کرنا ہے۔

چنانچہ امن وانصاف کے قیام کیلئے پہلا قدم نصیحت وانذار، دعوت واصلاح ہے۔ بہرکیف اگر لوگ بات نہ مانیں تو ان سے حتی الامکان درگزر کیا جائے، جیسا کہ فرمایا:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۝﴾ (اعراف:199:7)

''درگزر کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض (کنارہ کشی) کریں۔''

نصیحت اور تلقین جب تک کارگر ہو تو ہتھیار اٹھانے کو کوئی بھی جائز قرار نہیں دے گا، لیکن نصیحت اور تلقین جب کارگر نہ رہے تو پھر جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ جب قوموں کی سرکشی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔ لوگ ابلیس کے ہاتھوں یرغمال بن کر ظلم پر اُتر آتے ہیں، راہِ خدا میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، تو پھر ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو پاتی۔ پھر لوگوں کو انکے ظلم سے بچانے کیلئے لامحالہ مجبوراً جنگ کی راہ اختیار کرنی ہی پڑتی ہے۔ مزید یہ کہ اسلام اگر محض چند عقائد کا نام ہوتا تو شیطانی قوتوں کو اہل اسلام سے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن اسلام محض ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک قانون ہے جو انسان کو

اوامر ونواہی کی حدود میں باندھ کر اپنی خواہشات کو لگام ڈالنے کا تقاضا کرتا ہے جو کہ ایک آزاد خیال انسان کیلئے قابل قبول نہیں۔اسی بنا پر ابلیس لڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔ان حالات میں جب جارحین امن پر آمادہ نہ ہوں تو جنگ سے دامن چرانا ظالموں کے ظلم تلے انسانیت کی ہلاکت ہے، پروردگار نے جنگ کی حکمت وغایت کو نہایت واضح انداز میں یوں بیان فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o﴾(الحج:40:22)

''وہ جنہیں نکالا گیا ان کے گھروں سے ناحق ،صرف اس وجہ سے کے وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے (بذریعہ جہاد) ہٹانا نہ ہوتا تو ضرور ڈھا دیئے جاتے (راہبوں) کے جھونپڑے،اور عیسائیوں کے (گرجے) اور (یہودیوں) کے کلیسے اور (مسلمانوں) کی مسجدیں جن میں کیا جاتا ہے اللہ کا ذکر کثرت سے،اور یقیناً اللہ ضرور مدد کرے گا اسکی جو اللہ کی مدد کرے گا۔یقیناً اللہ بہت قوت والا،سب پر غالب ہے۔''

جب کافر مخالفت سے باز نہ آئیں تو پھر مجبوراً ان سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ o﴾(الحج:39:22)

''جن سے کافر لڑتے ہیں انہیں بھی لڑنے کی اجازت دی گئی ہے،اسلئے کہ ان پر ظلم کیا گیا،اور یقیناً اللہ انکی مدد کرنے پر قادر ہے۔''

اسلام ایک فطری دین ہے وہ جنگ مسلط کرنے سے قبل وارننگ دیتا ہے،جیسا کہ غزوہ بدر کے بعد کفار کو یوں تنبیہ کی گئی:

''(اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو بے شک آچکا ہے تمہارے پاس فیصلہ (بدر میں پکڑ

کی شکل میں)،اور اگر تم سرکشی سے باز آجاتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے،اور اگر تم دوبارہ جنگ کیلئے آتے ہو تو ہم بھی دوبارہ آئیں گے اور ہرگز نہ کام آسکے گی تمہاری تعداد ذرا بھی چاہے وہ کتنی ہی زیادہ ہو،اور یقیناً اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔''(انفال:19:8)

بہرکیف جب تک شیطان موجود ہے وہ اپنے ساتھیوں کو مسلمانوں پر جارحیت کیلئے اکساتا رہے گا:

﴿ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ﴾(البقرہ:217:2)

''وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے نہ پھیر دیں اگر ان کا بس چلے''

یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔اسلیئے مسلمانوں کو تیاری سے کبھی بھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

اسی حقیقت کی عکاسی نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی:

☆ ''اور جب تم جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک اسے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین پر واپس نہیں پلٹ آؤ گے۔''

(سلسلہ احادیث صحیحہ:1068)

☆ ''قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں،تو ایک پوچھنے والے نے پوچھا کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ فرمایا:نہیں بلکہ تم اس وقت بہت زیادہ ہوگے،لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہوگے۔اللہ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا اور تمہارے سینوں میں وہن کا مرض ڈال دے گا،تو پوچھنے والے نے پوچھا:اے اللہ کے رسول ''وہن'' کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا کی محبت اور موت کا خوف ہے۔''(ابوداؤد:4297)

جنگ کی بنیادی حکمت سے آگاہی کے بعد اب ہم قدرے تفصیل سے اسکے اہداف کو کھولتے ہیں۔جنگ درج ذیل اہداف کے تحت لڑی جاتی ہے:

(۱)۔فتنہ وفساد کا خاتمہ اور دین کی سربلندی، (۲)۔کفار کی طرف سے عہد شکنی اور جنگ کی ابتدا

کرنے پر، (۳)۔ضعفا کو کفار کے ظلم سے نجات دلانے کیلئے، (۴)۔مسلمانوں کے اقتدار کی ماتحتی قبول نہ کرنے پر۔

(ا)۔ فتنہ وفساد کا خاتمہ اور دین کی سربلندی: اس ضمن میں ارشاد ہوا:

''اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ انہیں جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے (مکہ سے) تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے۔ اور جب تک وہ تم سے مسجدِ حرام کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کردو، ان کافروں کی یہی سزا ہے اور اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، اور ان سے اسوقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین اللہ کیلئے ہی ہوجائے اور اگر وہ (فتنہ وفساد) سے باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کی جاسکتی۔ ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہے اور دیگر حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں۔ پھر جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی انکی اس زیادتی کے برابر ہی انہیں جواب دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ متقین (یعنی جو حدود کی پاسداری کرنے والے ہیں ان) کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ:2:190-193)

مذکورہ آیت کریمہ میں رہنمائی کے درج ذیل نکات بیان ہوئے ہیں:

(i)۔حدود حرم میں جنگ کی پہل کی بنا پر مشرکین سے دفاعی طور پر جنگ کا حکم دیا گیا ہے، (ii)۔کفار سے بھی ناحق زیادتی نہیں کرنی، (iii)۔اگر وہ جنگ نہ کرنا چاہیں تو ان سے نہ لڑا جائے، (iv)۔ یہاں جنگ کی بنیادی غایت مشرکین کا فتنہ وفساد برپا کرنا ہے۔ اس صورت حال میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

''ان سے اسوقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے''

یعنی حج بیت اللہ کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کے خلاف تلواریں اٹھائے رکھیں یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سرزمین حرم میں کل دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے۔ یہاں یہ بات نہایت تفصیل طلب

ہے کہ ''فتنہ'' اور مزید یہ کہ ''دین اللہ ہی کیلئے ہو جائے'' سے کیا مراد ہے؟ اس ضمن میں تفصیلی آگاہی آگے ''جنگ: دفاعی یا اقدامی'' کے عنوان کے تحت پیش کر دی گئی ہے۔

(۲)۔ عہد شکنی اور جنگ کی ابتدا کرنے پر: پروردگار نے مشرکین مکہ کے بارے میں فرمایا:

﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo﴾ (توبہ:13:9)

''خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور (عہد شکنی اور جنگ کی) پہل انہوں نے کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، جبکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم واقعتاً مومن ہو۔''

پس یہاں مشرکین مکہ سے جنگ کا حکم تین وجوہات کی بنا پر دیا گیا:

(i)۔ معاہدوں کی خلاف ورزی، (ii)۔ پیغمبر خدا کو مکہ سے نکالنا جو کہ انتہائی سنگین جرم ہے، (iii)۔ جنگ کی پہل کرنا۔

اس ضمن میں مزید فرمایا:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo﴾ (توبہ:5:9)

''پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو، اور پکڑو اور انہیں گھیر لو، اور انکی تاک میں ہر جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انکا راستہ چھوڑ دو، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہاں مشرکین کو دینِ حق قبول نہ کرنے کی سزا نہیں دی جا رہی، بلکہ ۲۰ سال تک رسول اللہ ﷺ اور انکے اصحاب پر ظلم و زیادتی کرنے کے نتیجے میں جنگوں کے بعد صلح کے معاہدات کرنے اور ان معاہداتِ صلح کو بار بار توڑنے کی وجہ سے انہیں یہ سزا دی گئی ہے۔

قابلِ غور نکتہ: ان آیات کے تحت اکثریت کا موقف یہ کہ: ''مشرکین مکہ'' کی طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثت براہِ راست تھی اسلئے ان پر اتمام حجت پوری ہو جانے کے بعد اب انکے لئے صرف دو ہی راستے ہیں: یا تو اسلام قبول کریں یا پھر قتل ہونے کیلیئے تیار ہو جائیں۔ نہ ذمی بن کر رہ سکتے ہیں اور نہ ہی اسکے علاوہ کوئی اور آپشن یعنی مکہ چھوڑ چھوڑ کر کسی اور علاقہ میں ہجرت کرنے کی آپشن انکے لئے ہے۔ اور یہ صورت صرف اُس وقت کیلیئے خاص تھی اسکے بعد تا قیامت تین آپشن رہیں گے۔ لیکن اس ضمن میں حقیقت حال جاننے کیلیئے مشرکین مکہ ہی کے بارے میں درج ذیل آیات پر غور فرمائیں:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ o﴾ (سورہ توبہ:129:9)

''اے اہل ایمان مشرک یقیناً ناپاک ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ یقیناً اللہ جاننے والا کمالِ حکمت والا ہے۔''

یعنی یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر مشرکین کیلیئے ایمان اور قتل کے سوا کوئی اور آپشن نہیں تھی تو پھر مسجد حرام کے آس پاس مکہ میں آباد مشرکین سے یہ کیوں کہا گیا کہ'' وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں''؟ پس معلوم ہوا کہ تیسری یعنی مکہ سے انخلا کی آپشن بھی انہیں دی گئی تھی۔

اسی حقیقت کو سورہ بقرہ میں مزید واضح کر دیا گیا:

﴿وَ اقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَ اَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ o﴾ (البقرہ:191:2)

''انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے (مکہ سے) تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے۔ اور جب تک وہ تم سے مسجدِ حرام کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کر دو، ان کافروں کی یہی سزا ہے۔''

یہاں یہ بات بالکل واضح کردی گئی ہے کہ انہیں: قتل کرنے، ایمان لانے اور مکہ سے نکالنے کی تینوں آپشن دی گئی تھیں۔

پس! امشرکین کو چار ماہ تک مکہ میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اسکے بعد انہیں فیصلہ کرنا ہوگا یا تو حرم میں رہنے کیلئے ایمان لانا ہوگا یا یہاں سے نکل کر کسی اور علاقے میں بسیرا کرنا ہوگا۔ پس انکے لئے جبراً ایمان لانے کا تقاضا نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اپنی مرضی سے ایمان قبول نہ کرنے پر حدودِ حرم سے جبری انخلا کا تقاضا کیا گیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جن کچھ افراد کے قتل کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یہ لوگ اسلام دشمنی میں اندھے ہو چکے تھے اور سالہا سال سے اللہ ورسول ﷺ سے برسر جنگ تھے۔ نہ تو وہ اپنی ظالمانہ روش سے باز آرہے تھے اور نہ مکے سے کہیں باہر جانے پر آمادہ تھے۔ انہیں چار ماہ کی مہلت بھی دی گئی تھی کہ وہ اپنے لئے کوئی ٹھکانہ تلاش کرلیں لیکن وہ کوئی بھی بات سننے کیلئے آمادہ نہ تھے۔ لہٰذا ان کا کوئی علاج نہیں تھا سوائے اسکے کہ ان کا قصہ تمام کردیا جائے۔

(۳)۔ <u>ضعفا کو کفار کے ظلم سے نجات کیلئے:</u> پروردگار نے فرمایا:

﴿ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ۝ ﴾ (نساء:4:75)

''اور تمہیں کیا ہوگیا ہے (اے ایمان کے دعویدارو) کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر (جنگ نہیں کرتے) جو یہ دعا کررہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال دے جسکے باشندے ظالم ہیں، اور بنا تُو اپنی جناب سے ہمارے لئے کوئی حمایتی اور بنا تُو اپنی جناب سے ہمارے لئے کوئی مددگار۔''

(۴)۔ <u>مسلمانوں کے اقتدار کی ماتحتی قبول نہ کرنے پر:</u> اتمام حجت کے بعد جب ''اہل کتاب'' نے بھی اسلام کی مخالفت ودشمنی میں اسلام کے خلاف سازشوں کا بازار گرم رکھا تو حکم دیا گیا کہ اب یہ مفسدین کسی رعایت کے حق دار نہیں رہے اسلئے انکی بابت حکم دیا گیا کہ یا تو ایمان قبول کریں یا پھر

جزیہ دیں اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہیں ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (توبہ:29:9)

''ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ اسے حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ ماتحت ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔''

آیت کا سیاق وسباق دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب سے جنگ کا حکم محض ایمان نہ لانے اور دین پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے نہیں دیا گیا، بلکہ اس وجہ سے دیا گیا کہ: یہ لوگ اسلام کے بدترین دشمن تھے، ظلم وفساد کے علمبردار تھے، اللہ ورسول ﷺ سے مسلسل برسر جنگ تھے۔ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ کے نور کو بجھانے کیلئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ انبیاء علیہم السلام محض کفر وشرک کی وجہ سے جنگ نہیں کرتے بلکہ ظلم وعدوان کی وجہ سے جنگ کرتے ہیں۔

<u>جزیہ:</u> یہ محصول ٹیکس کی مانند ہے جیسے ہر حکومت اپنی ملکی دفاعی ضروریات اور سماجی خدمات کی انجام دہی کیلئے محصولات لیا کرتی ہے۔ یہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کی شکل میں جبکہ غیر مسلموں پر جزیہ کی شکل میں ہے۔ آیت میں ''صٰغرون'' کے لفظ میں ذلت کے معنی بھی آتے ہیں اور تابع ہو جانے، کبر اور بڑائی کو ترک کر دینے کے معنی بھی۔ اس ضمن میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''ذمیوں سے جزیہ خوبصورتی اور نرمی سے لیا جائے .... ان سے کوئی بُری بات نہ کہی جائے۔ قرآن میں جس صغار کا ذکر ہے اسکا مطلب بس یہی ہے کہ ان کے اوپر ریاست کے قوانین کا اطلاق ہو نہ کہ ان کو ستایا جائے۔'' (الام:220/4، طبع دارلفکر)

تاہم دنیا میں انکے لئے رعایت کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے:

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴾ (الحشر:3:59)

''اور اگر اللہ نے انکے لئے جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو وہ دنیا میں ہی انہیں عذاب دے کر انکا نام ونشان مٹا دیتا اور آخرت میں تو انکے لئے دوزخ کا عذاب مقرر ہے ہی۔''

پس! مسلم ریاست کے اقتدار کی صورت میں کفار کے وہاں رہنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اپنی مرضی سے ایمان قبول کریں یا مسلم حکومت کے زیرِ اثر جزیہ دے حکومت کے تحت امن وامان سے رہیں۔

غزوات کی نوعیت اور جنگِ بدر کا پس منظر

جنگ بدر کے پس منظر سے قبل غزوات کی غایت ونوعیت پر مختصر سی آگاہی پیش خدمت ہے۔اس ضمن میں سیرت کی کتب کے بیان میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ یہاں ہم قرآنِ حکیم کی ٹھوس رہنمائی اور سیرت کے حوالے سے ''علامہ شبلی نعمانیؒ'' کی تصنیف ''سیرۃ النبی'' جس میں اعتدال پر مبنی درست حقیقت واضح کی گئی ہے، اس سے رہنمائی کی بنیاد پر مختصر وضاحت پیش خدمت ہے۔

چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ یورپ کے تمام مئورخوں نے سیرت نبوی کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ: نبی کریم ﷺ جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کیلئے روانہ ہوئے تو ظالم قریشِ مکہ نے عبداللہ بن ابی کو درج ذیل خط لکھا:

''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں گرفتار کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔'' (ابوداؤد، باب خبر النضیر)

جب آپ ﷺ کو اس خبر کا علم ہوا تو آپ ﷺ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے اس فعل سے رکنے پر سمجھایا جس سے وہ باز آ گیا۔ قریش کو مدینہ میں اسلام اور آپ ﷺ کا استحکام کسی صورت گوارہ نہ تھا اور وہ ہر دم مسلمانوں کے خاتمے کیلئے تیار رہتے تھے۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت ﷺ راتیں جاگ جاگ کر بسر کرتے، جیسا کہ سنن نسائی میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔''

اسی طرح حاکم کی روایت میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے، چنانچہ صحابہ ؓ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔''

چنانچہ جب قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے تمام قبائل میں اسلام کی بربادی کی آگ بڑھکا دی تو آپ ﷺ نے اپنے دفاع میں دو تدابیر اختیار فرمائیں:

(۱)۔قریش کی شامی تجارت جو کہ انکا غرور تھا وہ بند کر دی جائے تا کہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں،

(۲)۔مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل سے امن کا معاہدہ کیا جائے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے جو غزوات بھی لڑے انکی دو صورتیں تھیں:

(۱)۔دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور انکا مقابلہ کیا گیا۔

(۲)۔یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو (اپنے دفاع میں) پیش قدمی کی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے، انہیں مختلف اغراض سے تھے۔

<u>قریش کے تجارتی قافلے لوٹنے کی اصل حقیقت:</u> مکہ سے شام کو جو قافلے جاتے تھے مدینہ انکی راہ میں پڑتا تھا اور اسی پر قریش مکہ کی معیشت کا دارومدار تھا۔ چنانچہ بخاری شریف کے تحت یہ روایت موجود ہے کہ: ابوجہل نے حضرت معاذ انصاری ؓ سے کعبہ میں یہ کہا کہ :''جب تک تم لوگ (حضرت) محمد (ﷺ) کو نکال نہ دو گے تو ہم تمہیں کعبہ کا طواف نہیں کرنے دیں گے۔اس پر حضرت معاذ ؓ نے کہا کہ اگر تم ہمیں کعبہ میں آنے سے روکو گے تو ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے۔اسکے باوجود جب قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تو اب مسلمانوں کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کہ انکا کاروانِ تجارت روک دیا جائے تا کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ میں آنے کی اجازت دے دیں۔ چونکہ قریش تجارت کیلئے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی نفری ساتھ لے کر جاتے تھے اسلئے روک ٹوک میں کبھی مقابلہ بھی پیش آ جاتا تھا اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مال غنیمت ہاتھ آ جاتا تھا۔یہیں سے لوگوں نے غلطی کھائی کہ مسلمانوں کا اصل مقصد ہی قافلے لوٹنا ہوتا تھا، جبکہ مقصد قافلوں کو لوٹنا ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ کفار کے ظلم و انتقام اور

کعبہ کی حاضری میں رکاوٹ کے سد باب کے طور پر تجارتی قافلوں کو روکنا مقصود تھا۔ یہی روک ٹوک بالآخر صلح حدیبیہ کی وجہ بنی جسکی رُو سے مسلمانوں کو چند پابندیوں کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی۔

(سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانیؒ، جلد: اول)

غزوات کی غایت ونوعیت پر مختصر آگاہی کے بعد اب ہم غزوہ بدر کا پس منظر بیان کرتے ہیں۔

غزوہ بدر کا پس منظر

دیگر معرکوں کی طرح غزوہ بدر کو بالخصوص اقدامی جنگ سمجھا جاتا ہے اور تاریخی روایات کی وجہ سے مستشرقین نے اس جنگ کے بیان کی وجہ سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات بہت وار کئے ہیں۔ لہٰذا اس جنگ کی اصل حقیقت تک پہنچنا انتہائی ضروری ہے۔

قصہ احوال یہ ہے کہ: آپ ﷺ جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کیا کہ اسلام کو مٹا دیا جائے تا کہ انکا مذہب اور انکی عرب پر برتری قائم رہ سکے۔ یوں ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور دوسری طرف تمام قبائلِ عرب کو بھڑکا دیا کہ مسلمانوں کا یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہو گیا تو تمہاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہو جائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان کی سربراہی میں ایک قافلہ مکہ سے شام میں تجارت کیلئے گیا ہوا تھا۔ قافلہ ابھی شام سے واپس مکہ روانہ نہیں ہوا تھا کہ ''حضرمی'' کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا جس نے قریش کی آتش غیب کو مزید بھڑکا دیا۔ یوں سردارانِ قریش نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ انہوں نے مکہ والوں میں جھوٹا پروپیگنڈا بنایا کہ مدینے کے مسلمان ہمارے اس قافلے کو لوٹنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم بروقت قافلے کی حفاظت کیلئے نہ نکلے تو مسلمان اس قافلے کو لوٹ لیں گے۔ یوں قریش کے غیض وغضب کا بادل بڑے زور وشور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔ چنانچہ ابوجہل کی سربراہی میں تقریباً ایک ہزار سپاہی مدینے پر حملے کیلئے تیار ہو گئے۔ یوں مدینہ پر حملہ کی ساری اسکیم قریش نے بنائی تھی اور اسکے لئے ''حضرمی'' کے قتل اور اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ تراشا۔ درحقیقت یہ قریش مدینہ میں آپ ﷺ کے استحکام سے بہت خائف تھے اور حملے کے جواز تراشنے پر کوشاں تھے تا کہ مسلمانوں کی جمیعت کا جلد خاتمہ کر دیں۔

ان حالات کی خبر جب آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور واقع کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ سمیت دیگر جان نثار صحابہؓ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں اور کہا کہ آپ ﷺ حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔لیکن اسکے باوجود مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ کا سارا مقصد تجارتی قافلہ کو لوٹنا ہی تھا۔اس حوالے سے علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''اس واقعہ کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ (انفال) اس واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کیلئے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہیں۔''

مزید فرمایا:

''کتبِ سیر، تاریخ اور دیگر تمام شہادتوں سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہئے۔''

بدر کے پس منظر سے واقفیت کے بعد اب ہم زمین پر موجود سب سے مستند کلام یعنی قرآن مجید فرقان حمید سے خالق کی طرف سے بیان کردہ ٹھوس بیان سے حقیقت حال جانتے ہیں، پروردگار نے فرمایا:

﴿كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ o يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَقِّ بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَ هُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ o وَ اِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَكُمۡ وَ تَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَكُمۡ وَ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقۡطَعَ دَابِرَ الۡكٰفِرِيۡنَ o لِيُحِقَّ الۡحَقَّ وَ يُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَ لَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَo﴾ (انفال:8:5-8)

''جیسا کہ آپ کے رب نے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا، جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اسے ناگوار سمجھتی تھی۔وہ اس حق کے بارے میں اسکے بعد کہ اسکا ظہور ہو گیا تھا آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی انہیں موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہوں۔اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے

ہاتھ آجائے، جبکہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے، اگرچہ کہ مجرموں پر یہ ناگوار ہی گزرے۔''

یہاں اہم نکات کی وضاحت یوں ہے:

نبی کریم ﷺ خود اپنی یا اپنے اصحاب کی رائے سے نہیں نکلے تھے، بلکہ اللہ کے حکم اور اسکی رہنمائی میں نکلے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب کے ذریعے مکہ سے آنے والے لشکر کے ساتھ جنگ اور فتح کی پیشگی خبر دے دی تھی۔ جب آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے یہ تقاضا رکھا تو کچھ لوگوں پر یہ بہت ناگوار گزرا کہ بغیر تیاری اور قلیل تعداد کے وہ کس طرح لڑیں گے یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ سے شدید جھگڑا کیا اور تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے پر اصرار کیا۔ انہیں آیات میں یہ بات بالکل واضح کردی گئی کہ مدینے سے نکلنے کا مقصد کسی قافلے کو لوٹنا نہیں، بلکہ حق کو غالب اور باطل کو سرنگوں کرنا تھا (لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ)۔ پس پروردگار لشکرِ کفار کو شکست سے دوچار کرکے حق کا بول بالا اور باطل کی جڑ کاٹنا چاہتے تھے اور اسکے لئے جنگ میں اپنی خاص مدد کی پیشگی نوید سے بھی آپ ﷺ کو آگاہ کردیا تھا۔ تاہم راسخ ایمان والے صحابہؓ نے بلا چون وچراں آپ ﷺ کے مشورے پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آپ ﷺ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے مرمٹنے کا عزم ظاہر کردیا۔ قریش تو براہِ راست مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے مصلحت کے تحت آگے بڑھ کر مدینہ سے ستر میل دور بدر کے مقام پر انکی مزاج پرسی کرلی۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے خاص تائید سے اہل ایمان کو عظیم فتح عطا فرمائی۔ اس میں اہل ایمان ۳۱۳، بے سروسامان جبکہ کافر ایک ہزار اور سامان حرب سے لیس تھے۔ یوں حق کا بول بالا ہوگیا اور ظلم واستبداد کے ایوانوں میں صف ماتم بچھ گئی۔

اس ضمن میں تاریخی کتب میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ مسلمان جب تجارتی قافلہ کو لوٹنے گئے تو ابوسفیان نے اپنا راستہ بدل لیا اور مسلم فوج سے بچ کر آگے نکل گیا۔ حالانکہ قرآن حکیم میں اس کہانی کی بھی کوئی سرے سے کوئی گنجائش موجود نہیں، جیسا کہ پروردگار نے حقیقت یوں واضح فرمائی:

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ

مِنکُم﴾ (الانفال:42:8)

''یاد کرو جب تم مدینے کے قریب والے کنارے پر تھے اور دشمن دوسرے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔''

پس! قرآن حکیم کے واضح بیان سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور پختہ ایمان والے انکے ساتھیوں میں سے کسی کے ذہن میں بھی تجارتی قافلے کو لوٹنے کا خیال تک نہ تھا ۔آپ ﷺ کے جانثار اصحاب تو لشکر قریش سے ٹکر لینے اور کفر و شرک کی دنیا میں ہلچل مچا دینے کیلئے بے تاب تھے۔ جبکہ کمزور ایمان والے کچھ لوگ جنگ کی دہشت اور مال کی خاطر قافلہ ابوسفیان پر حملے پر مصر تھے یہاں تک کہ اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے شدید جھگڑا کیا۔

یہودیوں نے نہایت مکروہ جھوٹے پروپیگنڈے سے آپ ﷺ کو بدنام کرنا چاہا کہ ان کا مقصد نبوت و رسالت کی بجائے تجارتی قافلوں کو لوٹنا اور لڑ بھڑ کر مال غنیمت جمع کرنے اور جاہ و حکومت حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ معاف کرے ہمارے مورخین کو انہوں نے بھی قریباً یہی داستان بیان کر کے جلتی پر تیل کا کام کیا، حالانکہ قرآنی آیات میں ایسا کوئی ذکر تک موجود نہیں۔ پس! معلوم ہوا کہ تاریخی روایات کی بنا پر نبی کریم ﷺ اور آپکے ساتھیوں کا تجارتی قافلوں کو لوٹنے کا کوئی عندیہ قرآنی آیات میں موجود نہیں جسے بنیاد بنا کر مستشرقین نے اسلام کے اخلاقی پہلو پر وار کئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ، اخلاق اور اصولوں کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ باقی جہاں تک معاملہ احادیث کا ہے تو، سیاق و سباق، تطبیق اور درایت و متن کی بنا پر قرآنی احکامات کے تناظر میں بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے، تاکہ اصل حقیقت تک پہنچا جا سکے۔ لہٰذا پروردگار نے جنگ بدر کی وجہ خود قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے:

''(بدر میں ملائکہ کے ذریعے تائید سے کفار کا قلعہ قمعہ) اس وجہ سے کیا گیا تھا کہ مخالفت کی ان لوگوں نے اللہ کی اور اسکے رسول کی، اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اسکے رسول کی تو یقیناً اللہ (ایسے لوگوں کو) سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔ یہ ہے (تمہاری سزا) پس چکھو اسکا

ذائقہ، یقیناً کافروں کیلئے ہے آگ (دوزخ) کا عذاب۔'' (الانفال:8:13-14)

پس ثابت ہوگیا کہ بدر میں کفار پر جنگ کی بنا پر آنے والا عذاب محض انکے ''کفر وشرک'' کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ظلم واستبداد، سرکشی اور سینہ زوری کی بنا پر تھا۔ پھر جنگ کے بعد مدینہ میں مقیم اہل یہود کی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کو بدنام کرنے کے پروپیگنڈوں کا بھی خالق نے سورہ انفال میں ٹھوس ازالہ کیا ہے۔ قرآن حکیم سے اصل حقیقت واضح ہوجانے کے بعد علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ غزوہ بدر کا سبب کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا تاہم اس گرہ کا کھولنا ضروری ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام اربابِ اسیر نے متفقاً یہ غلطی کیوں کی اور صحیح بخاری میں یہ تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں (کہ) بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔''

لہٰذا ان وجوہات پر مزید رہنمائی کیلئے دیکھئے:

(سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانیؒ، جلد: اول: ص:220-221، الفیصل ناشران، ۱۹۹۱ء)

یعنی اب اصل ایمان یہی ہے کہ قرآن مجید کے محکم بیان سے بات کے مکمل طور پر نکھر جانے کے بعد ''روایات وتاریخ'' میں بیان کردہ معلومات کو قرآنی احکامات کی روشنی میں سمجھا جائے نہ کہ قرآن کی تاویلات کرکے انہیں اپنی اصل سے ہٹایا جائے جو کہ کیا گیا ہے۔

جنگ: دفاعی یا اقدامی

جہاد کے حوالے سے زیادہ اختلاف کا باعث یہی نکتہ ہے کہ: مسلمانوں سے دفاعی یعنی کفار کی جارحیت کے نتیجے میں اپنے دفاع میں جنگ کا تقاضا ہے یا اقدامی یعنی خود سے کفار پر جنگ مسلط کرنے کا؟ اس کی تہہ میں جا کر پوری حقیقت کو سمجھے بغیر ''جہاد'' کا عنوان ادھورا اور بہت سی غلط فہمیوں کا سبب بن جاتا ہے۔ ان شاءاللہ ہم یہاں قدرے تفصیل سے اسکے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔

جیسا کہ پیچھے ''غزوات کی نوعیت اور غزوہ بدر کے پس منظر'' سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ: آپ ﷺ نے جو غزوات بھی لڑے انکی دو صورتیں تھیں:

(۱)۔ دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور دفاعی طور انکا مقابلہ کیا گیا، اور (۲)۔ جنگ کی <u>اقدامی صورت</u>

صرف یہ تھی کہ: جب یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے تو اپنے دفاع میں پیش قدمی کی گئی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جنگ کی اقدامی شکل یوں بیان ہوئی ہے کہ: مسلم ریاست میں رہنے کیلئے کفار یا تو ایمان قبول کریں گے (اپنی مرضی سے) یا پھر جزیہ دے کر حکومت کے ماتحت رہیں گے۔ لیکن اگر یہ دونوں صورتوں پر آمادہ نہ ہوں تو پھر یا تو مسلمانوں کا علاقہ چھوڑیں گے ورنہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ مزید یہ کہ: آپ ﷺ نے محاربہ کا ارادہ اور اسکے لئے تیاری کرنے والوں کے خلاف بھی اقدامی جنگیں لڑیں جیسے: موتہ، تبوک اور غزوہ خیبر وغیرہ۔ غزوہ خیبر جس میں آپ ﷺ کو اپنے خلاف قریش کی جدید سازش کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اہل ایمان کی حفاظت کی خاطر ایک دلیرانہ کوشش سے ان کے ارادے کو روکنے کا عزم کیا۔ ان جنگوں کو (Pre-emptive Wars) کہا جاتا ہے۔ خلفائے راشدین کی کئی جنگیں بھی اسی نوعیت کی تھیں۔

باقی یہ صورت کہ محض اس بنا پر ''اقدامی جنگ'' کہ کفار کی حکومت کو ختم کر کے اسلام کی حکومت کو قائم کیا جائے، یہ نظریہ بھی مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جن میں ''مولانا مودودیؒ'' اور ''سید قطبؒ'' سرِ فہرست ہیں۔ اسکی حقیقت بڑی ذمہ داری سے سمجھنا ضروری ہے۔

<u>اس نظریہ کی بنیاد:</u> اس نظریہ کی بنیاد درج ذیل آیت کریمہ سے لی گئی ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝﴾ (انفال:8:39)

''اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین ہو جائے سارے کا سارا اللہ ہی کیلئے، پھر اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ انکے اعمال دیکھنے والا ہے۔''

یہی تقاضا ''سورہ البقرہ:193'' میں بھی کیا گیا ہے۔

یعنی جنگ فتنہ کے خاتمہ کیلئے ہوگی اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک زمین پر ''سارے کا سارا دین اللہ کیلئے نہ ہو جائے''، یعنی اسلام کا قانون نافذ نہ ہو جائے۔ اسی بنا پر مولانا مودودیؒ اپنی تصنیف ''الجہاد فی الاسلام'' میں قتال کی اصل علت اور سبب ''شوکت کفر یا غیر مسلم حکومت کا وجود'' قرار دیتے ہیں۔ یعنی اگر مسلمانوں کو قدرت حاصل ہوگی تو وہ جنگ کر کے غیر مسلم حکومتوں کا خاتمہ کر کے عوام پر اسلام

کی حکومت قائم کریں گے۔ کیونکہ خرابی کی اصل وجہ کفار کا اقتدار ہے، جسے ہر ممکن ختم کرنا ہوگا۔ جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ: قرآن تو ''جبر وکراہ'' یعنی زبردستی دین پر لانے پر مجبور کرنے کی کھلی نفی کرتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ: سب کی سب (قباحتیں اور فتنے) ایک ناحق شناس، ناخداترس اور بداصل حکومت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلئے کفر کی حکومت کی جگہ وہ عادلانہ نظام حکومت قائم کیا جائے جو خدا کے خوف اور اسی کے نازل کردہ ضابطوں پر مبنی ہو جو انسانوں کے مفاد کی خدمت کرے۔

<u>بلاشبہ:</u> اس میں تو کوئی شک نہیں کہ زمین پر مخلوقات کی بقا اور انکے امن وامان کا حقیقی ضامن ''اللہ کے قانون کا نفاذ'' ہی ہے۔ لیکن یہ بات سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ: کیا اسکا نفاذ جبراً کرنے کی خالق کا قانونِ عدل وآزادی اجازت بھی دیتا ہے کہ نہیں؟

<u>مغالطہ کی اصل وجہ:</u> یاد رہے کہ غلط فہمی کی بنیادی وجہ ''فتنہ'' کی غلط تشریح اور پوری طرح سے تطبیق نہ کرنا بنی ہے۔ چنانچہ اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب ہم مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور وفکر کرتے ہیں۔

پروردگار نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ o وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ o فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ o اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ o﴾ (البقرہ:2:190-193)

''اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ انہیں جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے

(مکہ سے) تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے۔ اور جب تک وہ تم سے مسجدِ حرام کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کر دو، ان کافروں کی یہی سزا ہے اور اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، اور ان سے اسوقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین اللہ کیلئے ہی ہو جائے اور اگر وہ (فتنہ وفساد) سے باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہے اور دیگر حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں۔ پھر جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی انکی اس زیادتی کے برابر ہی انہیں جواب دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ متقین (یعنی جو حدود کی پاسداری کرنے والے ہیں ان) کے ساتھ ہے۔''

یہاں حج کے ساتھ جنگ کا ذکر اس بنا پر کیا گیا ہے کہ اُس وقت تک حرم پر مشرکین کا قبضہ تھا، اسلئے یہ اندیشہ موجود تھا مشرکین حج میں رکاوٹ بنیں اور جنگ کی نوبت آ جائے۔ اسلئے حرم کے حوالے سے ضروری آداب بتلائے گئے ہیں کہ حرم میں لڑائی جھگڑا، جنگ اگرچہ سخت ممنوع ہے لیکن یہاں بھی اگر کفار جنگ میں پہل کریں تو دفاعی طور پر انہیں منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اجازت دے دی گئی کہ دوران حج بھی جس جگہ کفار جنگ کریں انہیں وہیں قتل کر دیا جائے اگرچہ حدود حرم میں ہی لڑائی ہو جائے۔ اور جس مکہ سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اب تم بھی انہیں یہاں سے نکال دو کیونکہ حرم کے اصل حقدار وہی ہیں جو ملت ابرہیمی پر قائم ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں رہنمائی کے درج ذیل نکات بیان ہوئے ہیں:

(i)۔ حدود حرم میں جنگ کی پہل کی بنا پر مشرکین سے دفاعی طور پر جنگ کا حکم دیا گیا ہے، (ii)۔ کفار سے بھی ناحق زیادتی نہیں کرنی، (iii)۔ اگر وہ جنگ نہ کرنا چاہیں تو ان سے نہ لڑا جائے، (iv)۔ یہاں جنگ کی بنیادی غایت مشرکین کا فتنہ وفساد برپا کرنا ہے۔ یہ فتنہ کیا تھا؟ راہ حق سے روکنا، ستانا، مذہبی تقاضوں (حج بیت اللہ، صوم وصلوٰۃ...) کی راہ میں حائل ہونا، ظلم وجبر کے ساتھ دین چھوڑنے (Persecution) اور غلط راہ پر مجبور کرنا، اہل ایمان کو گھر بے گھر کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا، لوٹ مار کا بازار گرم کرنا،.... فتنہ وفساد ہے، جو کہ کسی فرد کے قتل کرنے سے بھی بڑا جرم ہے جو نظم اجتماعی امن وامان کو ہی تہہ وبالا کر دیتا ہے۔ فتنہ درحقیقت وہ ظالم وفاسد نظام ہے جو ہر خیر کا دشمن

اور ہر برائی کا سرچشمہ ہوتا ہے۔جس کے برسرِ اقتدار آنے سے خیر کے تمام دروازے بند اور برائی کی راہیں کھل جاتی ہیں اور حق وانصاف کے نام لیواؤں کا جینا محال کر دیا جاتا ہے۔پس ازالہ فتنہ سے مراد جاہلانہ/ظالمانہ نظام حکومت کا خاتمہ ہے۔اس صورت حال میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

''ان سے اسوقت تک لڑتے رہنا کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے''

نوٹ: یہاں دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے یا کُل دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے کی ''اصل نوعیت'' سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔کیونکہ اسی تناظر میں دیگر بہت سی اور آیات بھی ہیں جنہیں ملحوظ رکھے بغیر محض ظاہری الفاظ پر اسکے معنی کے اطلاق سے دیگر بہت سی آیات (جو آگے بیان کی جائیں گی وہ) زَد میں آجاتی ہیں۔

پس! یہاں حج بیت اللہ کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کے خلاف تلواریں اٹھائے رکھیں یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سرزمین حرم میں کل دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے۔یہاں یہ بات تفصیل طلب ہے کہ دین اللہ ہی کیلئے ہوجانے سے کیا مراد ہے؟ بعض کا خیال ہے جب تک سب کافر مسلمان نہ ہوجائیں تب تک جنگ ختم نہ کی جائے۔یہ توضیح تو اسی آیت کریمہ سے بھی مطابقت نہیں رکھتی:

''اور جب تک وہ تم سے مسجدِ حرام کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا''

''اور اگر وہ (فتنہ وفساد) سے باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کی جاسکتی''

یعنی کفار اگر عناد ومخالفت، ظلم وجبر، حج میں رکاوٹ بننے یعنی فتنہ وفساد اور لڑائی سے باز آجاتے ہیں تو ان سے نہ لڑا جائے، ان پر زیادتی نہ کی جائے۔یہاں (وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰه) کہ سارے کا سارا دین اللہ ہی کیلئے ہوجائے۔یہ تقاضا حدود حرم کے خاص تناظر میں کیا گیا ہے۔اسلام کے سیاسی تحفظ کیلئے یہ ضروری ہے کہ حرم کو کفر وشرک سے مکمل پاک کر دیا جائے۔یہ تا قیامت تمام اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ مسلمان بیدار رہیں اور حرم میں کسی غیر اسلامی حکومت کے قدم نہ جمنے دیں۔

پس جب اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت پوری کر دی جائے، پیغمبر اپنا مشن پورا کر دیں، اصلاح واحول کی تمام کوششیں بروئے کار لانے کے باوجود بھی کفار جب فتنہ وفساد پر قائم رہنا چاہیں تو اب:

''کفار کی جارحیت کے نتیجے میں فتنے کا بھی خاتمہ ہو اور اللہ کا دین بھی نافذ ہو یعنی اسلام کا نظم اقتدار قائم ہوجائے جو حقیقی طور پر سب کیلئے امن کا اصل ضامن ہے۔اب کفار کو چار

ماہ کی مہلت دی گئی کہ یا تو حدودِ حرم سے نکل جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔"

لیکن حدودِ حرم کے علاوہ دیگر مسلم حکمرانی کے علاقوں کیلئے یہ قانون تھا کہ:

"مسلمانوں کا علاقہ چھوڑ دیں یا جزیہ دے کر امن و امان کے ساتھ مسلم قیادت کے زیر سایہ رہیں، دیکھئے: (توبہ:9:29)"

یہی غایت یعنی زمین پر فتنہ وفساد کی روک تھام کی بابت مزید فرمایا:

"پھر اللہ کے حکم سے مومنوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا، اور اللہ نے سلطنت اور حکمت داؤد کو دی اور جو چاہا اسے سکھایا، اور اگر اللہ کا بعض کو بعض سے دفع کرا دینا نہ ہوتا تو زمین فساد سے پُر ہو جاتی، لیکن اللہ جہان والوں کیلئے بہت فضل والا ہے۔" (البقرہ:2:251)

کفر وشرک اگر اپنے محدود دائرے میں رہے یعنی شخصی انکار سے آگے بڑھ کر اجتماعی ظلم واستبداد اور خوں ریزی کی شکل اختیار نہ کرلے تو دنیا میں عموماً اسکی گرفت نہیں ہوتی۔ اسکا حساب آخرت میں ہوگا کیونکہ یہ دنیا دارالعمل ہے دارالجزا نہیں۔ لیکن اگر کفر اجتماعی جارحیت اور ظلم واستبداد کی شکل اختیار کرلے تو کائنات کا پورا نظام جسکی بنیاد عدل اور فطری آزادی پر ہے بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اس صورت حال میں خواہ کفار ہوں یا نام نہاد مسلمان جب ان پر حجت پوری ہو جائے اور اسکے باوجود بھی وہ فتنہ وفساد اور ظلم کی روش کو نہ چھوڑیں تو آسمان سے عذاب نازل کر کے ظالموں کا صفایا کر دیا جاتا ہے جسکی داستانوں (سابقہ اقوام) سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ اور بعض اوقات اہل حق کی تلواروں سے بھی یہ کام کروایا جاتا ہے، جسکے نتیجے میں منکرین لازماً مغلوب ہو جاتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبہ :9:14)

"ان سے لڑو تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور اہل ایمان کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔"

باقی فساد کے ذریعے امن و امان کو کوئی بھی تباہ کرے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان کسی کو بھی اسکی اجازت

نہیں دیجا سکتی، جیسا کہ خالق نے فرمایا:

''مسلمانوں کے دو گروہ اگر کبھی آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ مصالحت کرادو اور ٹھیک ٹھیک انصاف کرو، اسلئے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اہل ایمان تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (الحجرات:49:9-10)

یعنی اگر اہل ایمان آپس میں جھگڑ پڑیں تو اسے پرایا سمجھ کر الگ تھلگ نہیں رہنا چاہئے، بلکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہر ممکن مصالحت کی کوشش کی جائے۔ اخلاقی سطح تک تو مصالحت کی کاوش اپنی اپنی حیثیت کے تحت سب نے کرنی ہے، لیکن جنگ منظّم حکومت کے تحت ہی ہوگی ورنہ انفرادی سطح پر قانون ہاتھ میں لے کر جنگ مسلط کرنے کا نتیجہ فساد و خونریزی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ جب منظّم حکومت قائم نہ ہو تو اس صورت حال میں سیدنا حذیفہ بن یمانؓ کے سوال پر نبی کریم ﷺ نے یوں نصیحت فرمائی:

''میں نے پوچھا اگر مسلمانوں کا کوئی نظم اجتماعی اور کوئی امام (حکمران) نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس صورت حال میں ان سب گروہوں سے بالکل الگ تھلگ ہو جاؤ، اگرچہ تمہیں مرتے دم تک کسی درخت کی جڑ ہی چبانی پڑے۔'' (بخاری:6673)

<u>فتنہ کی دوسری تشریح:</u> باقی اگر فتنہ کی دوسری تشریح یعنی کفر و شرک کا خاتمہ مراد لی جائے تو اسکے تقاضے میں تو لامحالہ ''اقدامی جنگ'' برپا کر کے کفار یا تو اسلام قبول کریں گے ورنہ انہیں قتل کر کے ساری زمین پر کفر کا خاتمہ کر کے دین اسلام کو نافذ کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری قرار پائے گی۔

اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر اسکا لازماً یہ نتیجہ نکلے گا کہ:

(۱)۔ کفار کی حکومتوں سے صلح جوئی کی کوئی آپشن موجود نہیں، اور (۲)۔ خالق نے انسان کو زمین پر آزادی نہیں دی بلکہ ملائکہ کی طرح اسے اپنی مرضی کے خلاف اسے جبراً اسلام قبول کرنا ہوگا؟

(۱)۔صلح جوئی کا حکم

اگر کافر جنگ کی بجائے واقعتاً صلح چاہتے ہوں تو پروردگار نے صلح جوئی کا حکم دیا:

﴿وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ۝﴾ (انفال:8:61)

''اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بلاشبہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔''

اور صلح میں اگر دشمن کی طرف سے دھوکہ وفریب کا احتمال ہو (جیسا کہ اس سے اگلی آیات میں واضح کیا گیا) تو پھر بھی گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھ کر ظاہر تقاضے کے تحت صلح کر لینی چاہئے۔

<u>اہل علم کی آراء:</u> اس ضمن میں اہل علم محدثین وفقہائے کرام میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ کے نزدیک صلح صرف انتہائی ضرورت ومصلحت یعنی: قوت واستعداد میں کمزوری، جنگ میں شکست، تیاری کیلئے مزید وقت وغیرہ کی خاطر ہی کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بعض نے تو اس آیت کریمہ کو ہی منسوخ قرار دے دیا ہے جن میں سید قطب شہیدؒ سرفہرست ہیں۔ حالانکہ اسکی منسوخی کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔ جن بعض آیات میں اشارات کی بنیاد پر اسے منسوخ قرار دیا جاتا ہے، اس بنا پر تو دیگر متعدد آیات بھی منسوخ کی جاسکتی ہیں۔ اسلئے ہر چیز کو اعتدال کے ساتھ اسکی جگہ پر رکھ کر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ فقہا کرام نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ:

''غیر مسلم حکومت اگر مال دے کر صلح کی پیشکش کرے تو صلح کر کے غیر مسلم حکومت کو باقی رہنے دیا جائے گا اور جزیہ والی صورت نہیں ہوگی۔ بلکہ غیر مسلم حکومت اپنی پوری آزادیوں اور کفر کے قوانین کے نفاذ کے ساتھ باقی رہے گی۔'' (بدایۃ المجتہد: 317/1، بدائع الصناع: 76/6)

فقہاء کا یہ متفقہ مسئلہ اس بات کا واضح ثبوت کہ ان کے نزدیک نہ کفر قتال کا سبب ہے نہ نظامِ کفر، نہ حکومت کفر کیونکہ وہ سب مال کے عوض غیر مسلم حکومت سے صلح کو جائز سمجھتے ہیں۔ مزید یہ کہ جمہور اہل علم کے نزدیک اگر غیر مسلم اپنے کفر پر باقی رہتے ہوئے مسلم حکومت کے تابع رہ کر جزیہ دیں تو یہ معاہدہ قبول کرنا لازم ہوگا۔

ابن تیمیہؒ (البقرہ:119) کے تحت لکھتے ہیں:

''اللہ نے جنگ کرنے والوں سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قتال کیلئے شرط یہ ہے کہ جس کے خلاف جنگ چھیڑی جائے وہ جنگ کر رہا ہو۔'' (الصارم المسلول:96)

یہی بات درج ذیل آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہے:

﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَo﴾ (التوبہ:36:9)

''تمام مشرکوں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔''

مزید یہ کہ: اہل علم نے اس طرف بھی توجہ مبذول کروائی ہے کہ: فتح نصیب ہو جانے کے بعد بھی سارا دین اللہ کیلئے خالص نہ ہو پائے گا کیونکہ جو اسلامی حکومت بھی قائم ہوگی وہ زمین پر کفر کو باقی رہنے دے گی، یوں غیر مسلموں کے ذریعے اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں کو بھی۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ جنگ میں کفار سے صلح کرنے کے بعد بھی زمین پر کفار کی حکومت رہے گی۔

پس! اگر کفر کی کوئی حکومت نہ اپنے عوام پر کسی سخت ظلم کی مرتکب ہے اور نہ دوسری قوموں پر کسی جارحیت کی اور اپنے ہاں بسنے والے مسلمانوں کو اللہ کے دین پر چلنے کی آزادی دیتی ہے اور مسلمانوں کی حکومت کی طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بھی بڑھاتی ہے تو پھر کس اخلاقی جواز کے تحت اس پر جنگ تھوپی جائے گی؟

اس ضمن میں تفصیلی رہنمائی کیلئے دیکھئے تحریر ''اسلام کا تصور جہاد۔ چند توضیحات'' مولانا محمد یحیٰ نعمانی صاحب'' جس میں مصنف نے قرآن وسنت اور اہل علم محدثین وفقہائے کرام کے تفصیلی اقوال کی روشنی میں اختلافات کی نوعیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

<u>آیت کی مزید وضاحت:</u> مذکورہ آیت (انفال:8:61) کے حوالے سے منطقی گفتگو کے بعد اب ہم قرآنی آیات کی روشنی میں مزید وضاحت پیش کرتے ہیں:

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صرف ''مجبوری کے تحت'' صلح جوئی کا مذکورہ آیت کریمہ کے سیاق وسباق میں تو کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں۔ ان آیات کے سیاق وسباق کی بنیاد پر پورے یقین کے ساتھ اس خیال

کی تردید ہوجاتی ہے کہ صلح کی گنجائش صرف کمزوری کی بناپر ہے۔ان کا سیاق وسباق ببانگ دہل اعلان کررہا کہ اُس وقت ایسی کوئی مجبوری کی حالت نہیں تھی۔سیاق وسباق میں مسلمانوں کو جنگ کرنے کا حکم پورے زوراور تاکید سے دیا جارہا ہےاور جہاد پرابھارنے والی غیر معمولی آیات بھی موجود ہیں۔اور یہ غزوہ بدر کی عظیم الشان فتح کے فوراًبعد کا وقت ہے جس یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اجازت مجبوری کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے۔

مجبوری میں صلح جوئی پر درج ذیل آیت کریمہ سے بھی یہ استدلال کیا جاتا ہے:

﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ o﴾ (سورہ محمد:35:47)

''تو تم کمزور نہ پڑو اور سمجھوتے کی دعوت نہ دو،تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا۔''

یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو بہتر جنگی استعداد کی بدولت سمجھوتے کی دعوت کی پہل کرنے سے منع کیا گیا ہے، نہ کہ کفار جب صلح کیلئے ہاتھ بڑھائیں (جیسا کہ انفال:٦١ میں تھا) تو انکی دعوت کو رد کرنے کا۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہے کہ منافقین چونکہ جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے،اسلئے وہ اپنی بزدلی اور مفاد پرستی کی وجہ سے مسلمانوں اور کفار دونوں کو صلح جوئی پر مائل میں کوشاں رہتے تھے۔اور یوں وہ کمزور اہل ایمان کو بھی جنگ سے گریز کرنے پر مائل کرنے کا موجب بن جاتے۔یہاں انکی اسی کمزوری سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ جنگ میں کمزوری نہ دکھائی جائے اگر واقعتاً تم مومن ہوئے تو اللہ کی مدد سے تم ہی غالب رہو گے اور جہاد کا بہترین صلہ بھی پاؤ گے۔

مزید فرمایا:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ o اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o﴾ (الممتحنہ:60:8-9)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ نہیں روکتا تمہیں ان سے بھلائی اور انصاف کے سلوک سے، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو انہیں لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے، جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نکالا جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے اور تمہیں نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو لوگ ایسے لوگوں سے دوستی کریں تو وہی ظالم ہیں۔''

یعنی لڑائی تو دور کی بات ہے پروردگار تو کفار سے دوستی اور بھلائی سے بھی منع نہیں کرتا بشرطیکہ وہ ظلم وجارحیت کی راہ نہ اپنائیں۔ مزید رہنمائی یوں فرمائی:

﴿.... وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۝﴾ (المائدہ:2:5)

''....ان لوگوں کی دشمنی جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم زیادتی کرنے لگو۔ دیکھو! نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں باہم تعاون نہ کیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔''

اس ضمن میں امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ صرف اسی سے جنگ کرتے تھے جو خود جنگ کرتا تھا۔ جو صلح کرتا تھا آپ ﷺ اس سے جنگ نہیں کرتے تھے۔'' (ہدایۃ الحیاری:121)

یہی بات قرآنی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔

پس! معلوم ہوا کہ اصل مغالطہ ''فتنہ'' کی غلط تشریح ہی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ: فتنہ سے مراد ظلم وجبر اور تعذیب کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے روکنا ہی ہے۔ تو جب ایسا ہوگا تو پھر لامحالہ جنگ تو ہوگی۔

(۲)۔ایمان میں جبر واکراہ

صلح جوئی کے حوالے سے حقیقت سے آگاہی کے بعد اب ہم ایمان میں ''جبر وکراہ'' کے متعلق حقیقت کو جانتے ہیں۔یعنی کیا کفار کو تلوار کے زور پر جبراً اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا؟ یہ بات تو عقلاً بھی بہت عام فہم ہے کہ ایمان لانا یعنی بات تسلیم کرنا تو انسان کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ہمیں اپنے قول وفعل سے احسن انداز سے دعوت واصلاح کیلئے کوشش کرنی ہے نہ کہ جبراً بات منوانا۔اگر انسان دل سے بات نہ ماننا چاہے تو زبردستی اسلام کس کام کا؟ انسان کو جبراً منافق تو بنایا جاسکتا ہے لیکن مومن نہیں بنایا جاسکتا۔اس ضمن میں خالق نے یوں رہنمائی فرمائی:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o﴾(البقرہ:256:2)

''دین کے معاملے میں کوئی زبردستی وجبر نہیں،یقیناً ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔اسلئے جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے پکڑ لیا مظبوط کڑا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں،اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾(الکہف:29:18)

''اور فرمادیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے،تو تم میں سے جو چاہئے (اپنی مرضی سے) ایمان لائے اور جو چاہے (اپنی مرضی سے) کفر اختیار کرے''

﴿وَ لَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ o﴾(یونس:99:10)

''اور اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین پر جتنے لوگ ہیں وہ ایمان لے آتے تو کیا پھر تم لوگوں پر زبردستی کروگے کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

ان آیات میں جبراً ایمان قبول کروانے کی مکمل نفی کر دگئی ہے۔اسلام کی بنیادی تعلیم کا تقاضا ''آزادی اورانصاف'' ہے۔کسی قوم کواسکی اپنی حکومت سے بےسبب محروم کر کے اس پر دوسری حکومت قائم کرنا فطری طور پرانصاف کے خلاف نظر آتا ہے۔اسلامی دعوت کیلئے ضروری ہے کہ اسلام اپنے زمانے میں سب سے برتر اور متوازن اخلاقی معیار پر قائم نظر آئے۔

سیرت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے جبراً کسی کومسلمان بنایا ہو۔کوئی حقیقی مسلم حکمراں ظالم وجابر نہیں ہوسکتا۔کسی حکمران کے مسلم ہونے کا پیمانہ صرف نماز روزہ اور حج عمرہ ہی نہیں بلکہ سلطنت میں عدل وقسط کا نظام قائم کرنا ،اسلامی اصولوں پر حکومت کرنا،اور اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرنا ہے۔انفرادی حیثیت میں نماز روزہ جیسے اعمال کرنا تو آسان کام ہے لیکن اپنی خواہشات،دنیوی مفادات کے خلاف اللہ کی حدود کی پاسداری: انصاف،سچائی،امانت داری،دیانتداری،عہدوپیمان،حیا.... پر قائم رہنا بڑا مشکل کام ہے۔

پس!جب اللہ کی کتاب نے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا ہے کہ اس دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں تو ایک بندہ مومن کا فرض بنتا ہے کہ اپنے خالق کی بات کو من وعن سمجھنے اور ماننے پر راضی ہوجائے اور تاریخی روایات کو قرآنی احکامات کی روشنی میں سمجھے نہ کہ قرآن کی تاویلات کی جائیں۔

مذکورہ بات تو مکمل طور پر واضح ہوچکی ہے،لیکن کفروشرک کے خاتمے کیلئے جنگ پر مزید وضاحت پیش خدمت ہے تاکہ اس ضمن میں کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے۔

کفروشرک کے خاتمے کیلئے جنگ؟

کافر اور مشرک اگر زمین پر امن وامان سے رہیں تو کیا انہیں بسنے دیا جائے گا یا ان سے انکے کفر یا شرک کی بنا پر جنگ کر کے انہیں ختم کیا جائے گا؟

کفر کی دو حالتیں: کفر کا مطلب انکار ہے یعنی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا انکار۔کفر کی دو حالتیں ہیں:

(i)۔امن پسند کافر: کفر کی ایک شکل وہ ہے جو کافر کی ذات تک محدود ہے۔وہ اپنی ذاتی زندگی میں تو کافر ہوتا ہے،لیکن کفر کی چنگاریاں دوسروں کو جلانے کا باعث نہیں بنتیں۔وہ دوسروں کو بغاوت وعدوان پر مجبور نہیں کرتا بلکہ امن وشرافت کے ساتھ معاشرے میں رہتا ہے۔ایسے لوگوں کو حکمت

وشفقت سے راہ راست پر لانے کیلئے اہل ایمان کو دعوت واصلاح کی کاوش کرنی چاہیئے۔لیکن قرآن وسنت کی روشنی میں محض انکے کافر ہونے کی بنا پر انکے ساتھ زیادتی/بدسلوکی نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ ان سے جنگ کی جائے۔

(ii)۔جارحیت پسند کفر: ایسا کفر جس میں جارحیت ہوتی ہے، بے رحمی اور بے دردی ہوتی ہے، خوں ریزی اور سفا کی ہوتی ہے، ظلم وجبر ہوتا ہے... ایسے ہی کفر پر عذاب آتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ o فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ o لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ o قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ o فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ o﴾(الانبیاء:21:11-15)

''ہم نے ایسی کتنی ہی بستیوں کو غارت کردیا جو ظالم تھیں اور انکی جگہ دوسرے لوگوں کو لاکھڑا کیا۔تو جب ان (ظالموں نے) ہمارا عذاب دیکھا تو لگے وہاں سے بھاگنے، مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے مسکنوں میں جاؤ تا کہ تم سے حساب لیا جائے۔انہوں نے کہا ہائے ہماری بدنصیبی ہم یقیناً ظالم تھے۔''

یوں تو شرک سب سے بڑا ظلم ہے، لیکن یہاں وہ ظلم مراد ہے جو اللہ کی مخلوقات پر حق تلفی، قتل وغارت، دینی امور کی بجا آوری کی راہ میں رکاوٹ، فتنہ وفساد کی شکل میں کیا جائے۔اسی حوالے سے متعدد آیات قرآن میں موجود ہیں۔

کفر وشرک اور طاعت وعبادت میں انسان نے کس راہ کو اختیار کرنا ہے؟ اس معاملے میں انسان کو غور وفکر کرنے، عقل کو استعمال کرنے کی تو بار بار دعوت دی گئی ہے، لیکن اسکی خاطر جنگ کا حکم نہیں دیا گیا۔

جیسا کہ سابقہ آیات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ کافر اور مشرک اگر فتنہ وفساد پیدا نہ کریں، جارحیت کا ارتکاب نہ کریں، مسلمانوں کی مذہبی رسومات کی راہ میں حائل نہ ہوں بلکہ امن وامان سے رہیں اور مسلم حکومت کی ریاست کے زیرِ انتظام رہتے ہوئے قانون کے ماتحت رہیں اور جزیہ دیں.... تو انہیں بھی بسنے کا حق ہوگا اور محض انکے کفر کی وجہ سے ان سے جنگ نہیں کی جائے

گی۔ انکے کفر وشرک کی سزا قرآن وسنت میں دوزخ بتلائی گئی ہے۔ البتہ حکمت کے تحت دعوت واصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ باقی فی زمانہ کافر جو جدید جنگی ٹیکنالوجی سے سب ہیں اگر وہ یسب ایکا کرلیں کہ وہ اپنے سوا کسی مسلمان کو زمین پر بسنے نہیں دیں گے تو خود سوچیں کیا ہوگا؟

اس حوالے سے مزید فرمایا:

﴿وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (انفال:34:8)

''اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے جبکہ وہ مسجدِ حرام سے روک رہے ہیں اور وہ اسکے اہل (یعنی متولی) بھی نہیں ہیں۔ اسکے اہل تو پرہیزگار ہی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

پس ثابت ہوگیا کہ مشرکین کی سزا کی وجہ محض انکا کفر نہیں تھا بلکہ کفر کا اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننا جیسے مسجد الحرام سے مسلمانوں کو روکنا تھا۔ یوں اس بات کی بھی نفی ہوگئی کہ اہل مکہ کو محض اسلام قبول نہ کرنے پر تلوار کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ کی بنا پر تلواریں چلیں۔

مزید یہ کہ دنیا میں عذاب کی علت یوں بتلائی گئی:

''یہ سزا اسلئے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اسکے رسول کی، اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ اور اسکے رسول کی تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ مزہ تو تم چکھ لو، یقیناً کافروں کیلئے دوزخ کا عذاب ہے۔'' (انفال::13-14)

یعنی عذاب کی علت محض کفر نہیں بلکہ تکذیب واستہزا اور رسول ﷺ کی مخالفت ہے۔

اس ضمن میں شیخ القرآن محمد علی کاندھلویؒ صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ دنیا میں سزا کی علت ''اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت'' بتلائی گئی ہے اور آخرت میں سزا کی علت ''کفر'' بتائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جنگ، کافروں کے کفر کی وجہ سے نہیں کرتا، بلکہ اسلئے کرتا ہے کہ کفر حق کی راہ میں رکاوٹ بن کر آجاتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا خیر وشر دونوں کا مسکن ہے۔ یہاں بھلائی کی طاقتیں موجود

ہیں اور برائی کی بھی، اور دونوں کو اپنے اپنے طور پر کام کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اسی لئے ایمان میں کسی پر جبر وکراہ نہیں ہے۔ جب کفر اللہ ورسول کا مخالف بن کر آتا ہے تو سزا دی جاتی ہے برخلاف آخرت کے کہ وہاں عذاب کی علت کفر ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا ہے ''وان للکافرین عذاب النار'' (معالم القرآن، ج:9:ص:772)

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''کفر پر قائم رہنا یا اسکی طرف پلٹ جانا اگرچہ تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے، لیکن یہ انسان اور اسکے رب کا معاملہ ہے اور ایسے گناہ کی سزا روزِ قیامت کیلئے موخر رکھی گئی ہے'' (المبسوط:110/10)

یہی قرآن کے عین مطابق ہے اور یہی حق ہے۔

اور پھر سورہ محمد میں مشرکین کے جرم کو یوں واضح کیا گیا:

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور مخالفت کی رسول کی اسکے بعد انکے لئے ہدایت واضح کردی گئی تھی۔ یہ ہرگز اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرسکیں گے۔ اور (اللہ) انکے اعمال کو اکارت کردے گا۔'' (سورہ محمد:32:47)

یعنی جنگ کی ذمہ داری اہل ایمان پر نہیں، بلکہ مشرکین پر عائد کی گئی ہے۔ انہوں نے اہل ایمان پر ظلم کئے، اذیتیں دیں، مکہ سے نکالا، مگر ان ظالموں نے مدینہ میں بھی مسلمانوں کا امن برداشت نہ کیا، تین جنگیں مسلط کیں۔ بات کو مزید واضح کیا گیا:

''خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو جلاوطن کرنے کا مصمم ارادہ کیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہل کی تم پر (زیادتی کرنے میں)۔ کیا تم ڈرتے ہو ایسے لوگوں سے؟ حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ ڈرو تم اس سے اگر تم (واقعتاً) مومن ہو۔'' (التوبہ:13:9)

پس مشرکین سے جنگ کا حکم تین وجوہات کی بنا پر دیا گیا:

(۱)۔معاہدوں کی خلاف ورزی، (۲)۔پیغمبر خدا کو مکہ سے نکالنا، (۳)۔جنگ کی پہل کرنا،

اس ضمن میں بہت سی آیات پیچھے گزر چکی ہیں، مزید یہ کہ:

صلح حدیبیہ میں مشرکین کی شرائط کے تحت ان سے کی گئی فتح کو قرآن نے ''فتح مبین'' کہا حالانکہ ان شرائط میں کفر وشرک سے وہ تائب نہ ہوئے تھے۔یعنی مشرکین صلح کر کے اپنے دین یعنی شرک پر قائم رہ سکتے ہیں۔پس! مشرکین کو شرک کے ساتھ ہی زندہ رہنے کا حق ہے اور پروردگار نے بھلائی کے کاموں میں انکے ساتھ تعاون سے بھی منع نہیں فرمایا، دیکھئے:

(المائدہ:2:5)، (انفال:61:8)،(الممتحنہ:9-8:60)

سیرت مبارکہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنی طرف سے کبھی جنگ کا اقدام نہیں کیا بلکہ اس وقت جنگ کی جب دوسرا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔پر امن اصولوں کے تحت ۱۳ سال مکہ میں دعوت وتبلیغ کی اور قریش کے شدید ظلم سہتے رہے۔لیکن جب کفار آپ ﷺ کو گرفتار کرنے اور قتل کرنے پر تُل آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔اور مدینہ میں مسلمانوں کا استحکام بھی قریش مکہ کو برادشت نہ ہوسکا تو مکہ سے مدینہ آکر مسلمانوں سے تین جنگیں: بدر، احد اور احزاب کیں۔

امن کی خاطر آپ ﷺ حدیبیہ میں جنگ سے بچنے کیلئے بغیر عمرہ کئے وہیں احرام کھول کر واپس چلے گئے۔فتح مکہ میں بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ جنگی استعداد کے باوجود تصادم کی بجائے خاموشی سے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ اچانک مکہ میں داخل ہوگئے۔مکہ میں یہ داخلہ اتنا اچانک تھا کہ کفار مسلمانوں کے خلاف کوئی تیاری نہ کر سکے اور کسی خونی تصادم کے بغیر ہی مکہ فتح ہوگیا جو کہ لڑائی کی بجائے پر امن طریق کار کی عمدہ مثال ہے۔اسلام امن وسلامتی کا داعی ہے اور اس میں امن وسلامتی کی حیثیت حکم عام کی، جبکہ جنگ کی حیثیت بامر مجبوری استثناء کی ہے۔تاہم اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ جب جنگ کرنا ناگزیر ہو تو زندگی بچانے کیلئے جی چرایا جائے۔بلکہ جب تقاضا آجائے تو بخوشی اپنے آپ کو اللہ کیلئے پیش کرنے کیلئے ہر لمحہ تیار رہا جائے۔

پس! ان ٹھوس حقائق کے پیش نظر درج ذیل روایت کہ:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار

کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں، جس وقت وہ یہ کرنے لگیں تو مجھ سے اپنے جان و مال محفوظ کرلیں گے، سوائے اسلام کے حق کے۔'' (بخاری:25)

پہلی بات یہ ہے کہ اس روایت کو امام بخاریؒ ''سورہ توبہ آیت:۵'' کے تحت خاص تناظر میں لائے ہیں، جس میں فرمایا گیا:

''پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو، اور پکڑو اور انہیں گھیر لو، اور انکی تاک میں ہر جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انکا راستہ چھوڑ دو، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

جیسا کہ ہم پیچھے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ یہاں مشرکین کو اسلام نہ لانے کی سزا نہیں دی جارہی بلکہ ۲۰ سال تک رسول اللہ ﷺ اور انکے اصحاب پر ظلم و زیادتی کرنے کے نتیجے میں جنگوں کے بعد صلح کے معاہدات کرنے اور ان معاہداتِ صلح کو بار بار توڑنے کی وجہ سے انہیں یہ سزا سنائی گئی ہے۔

پس! دیگر کثیر قرآنی آیات اور سنت پر مبنی دلائل کی بنیاد پر مذکورہ روایت کی یہی صحیح تاویل ہوگی کہ یہاں کفر سے مراد وہی اسلام اور انسان دشمن ''جارحیت پسند کفر'' ہے جو اسلام کی راہ میں حائل ہوجائے۔ ایسے کفر کے خلاف جنگ کا ہونا ناگزیر ہے۔

حکام کی سربراہی میں جنگ

جنگ چونکہ ایک انتہائی نازک اور سنجیدہ معاملہ ہے اسلئے انفرادی طور پر ہر کسی کو معاملہ اپنے ہاتھ لے کر جنگ کرنے کی بجائے اہل حکام کی سربراہی میں لڑائی لڑنے کا تقاضا کیا گیا ہے تاکہ بہتر رہنمائی، سفارت کاری، قوت و تحفظ اور منظّم حکمت عملی کے تحت بہتر فیصلہ کیا جاسکے اور غیر سنجیدہ طرزِ عمل کی بدولت بے جا قتل و غارت اور فتنہ و فساد سے بچا جاسکے۔ ہر کسی کا انفرادی طور پر ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کا نتیجہ بدامنی و انتشار کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلئے اہل حکام کی سربراہی کے تحت اس امر کو بجالانا ناگزیر ہے۔ اس ضمن میں قرآن و سنت نے یوں رہنمائی فرمائی:

''سورہ نساء:83'' کے تحت ملکی خبروں، فیصلوں کو پھیلانے اور معاملات کو اپنے ہاتھ لینے کی بجائے

اہل حکام کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ وہ معاملہ کی صحیح نوعیت کو سمجھیں اور ضروری اقدام کریں، جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿وَ اِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سورہ نساء:4:83)

''اور ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے (بلا تحقیق) مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو وہ اسکی تحقیق کرتے جو تحقیق کرنے والے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی مہربانی نہ ہوتی تو البتہ تم شیطان کی پیچھے چل پڑتے سوائے چند لوگوں کے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''امام (یعنی مسلمانوں حکمران) ڈھال ہے، جنگ اسکی ماتحتی میں کی جاتی ہے، اور اسکے ذریعے سے تحفظ کیا جاتا ہے....'' (بخاری:2797، مسلم:4772)

پس معلوم ہوا کہ جنگی دفاع حاکم کی قیادت میں کیا جائے گا۔ چنانچہ فقہا کا متفقہ موقف بھی اس معاملے میں یہی ہے کہ:

''کفایہ فرائض کی تیسری قسم وہ ہے جس میں حکمران کا ہونا لازم ہے، جیسے جہاد اور اقامتِ حدود، اسلئے کہ اسکا حق تنہا حکمران کو حاصل ہے۔ اسکے سوا کوئی شخص بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ کسی دوسرے پر حد قائم کرنے کیلئے اُٹھ کھڑا ہو۔'' (فقہ السنۃ:10/3)

جنگ ایک انتہائی سنجیدہ منظّم عمل کا نام ہے۔ اسلئے کسی مسلم حکومت کو بھی جہاد کا حق صرف اس وقت ہے جب وہ باقاعدہ طور پر اسکا اعلان کرے نہ کہ بغیر کسی اعلان و اطلاع کے باہم لڑائی شروع کر دی جائے۔ لہٰذا یہ بات بالکل قطعی ہے کہ مسلمان انفرادی حیثیت میں آیات قتال کے مخاطب نہیں ہیں۔

عصر حاضر میں جنگ کی نوعیت

جنگ اور جہاد میں فرق: محض دنیا (دنیاوی مال واسباب) بچانے کی خاطر کی گئی لڑائی جنگ کہلائے گی، بالخصوص کفار کی لڑائی جنگ ہوگی۔ جبکہ اعلائے کلمتہ اللہ، اسلام کے تقاضوں، شعائر اسلام، ایمان وعمل کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں، اسلام کی مخالفت کرنے والوں، مسلمانوں کے اسلامی ملک ہر حملہ آور ہونے والوں، مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے در بدر کرنے والے.... کفار کے خلاف اہل ایمان کی لڑائی جہاد کہلائے گی۔ بنیادی چیز نیت ہے۔ جہاں بھی کفار کے خلاف لڑائی میں: اللہ ورسول ﷺ، ایمان، اسلام، ظلم وعدوان، فتنہ وفساد کا خاتمہ سبب بن جائے گا تو وہ لڑائی جہاد بن جائے گی۔

فی زمانہ عام لوگوں کیلئے جہاد کی نوعیت: فی زمانہ جس میں جنگ کیلئے ملکی سطح پر باقاعدہ منظّم فوجی ادارے بنائے جاچکے ہیں تو ان حالات میں عام (سول غیر فوجی) لوگوں کیلئے جہاد کی نوعیت کیا ہوگی؟

ان حالات میں جہاد کی اولین ذمہ داری تو فوجی اداروں پر ہی عائد ہوگی۔ البتہ جب بھی دورانِ جنگ حکومتی سطح پر ان سپاہیوں کی مدد کیلئے سول نفری درکار ہو تو ضرورت کے تحت عام لوگ ان کی معاونت کیلئے جہاد میں حصہ لیں گے۔ اور جو رضا کارانہ (Volunteer) طور پر خود سے جہاد میں شامل ہونا چاہیں حکومت انہیں شامل کرنے کیلئے ان سے تعاون کرے گی۔ اسی طرح اپنے خطے کے علاوہ دوسرے ممالک میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کی گئی جنگ / مسلمانوں پر ناحق ظلم وستم کی صورت میں بھی اولین ذمہ مسلم ریاستوں کے اہل حکام اور فوجی اداروں کی ہی بنتی ہے، تاہم رضا کارانہ طور پر شامل ہونے والے افراد کو بھی حکومتی/اسلامی قیادت کی سربراہی میں شریک ہونا چاہئے تاکہ منظّم حکمت عملی کے تحت جہاد ہو اور مظلوموں کی مدد ہو۔

خلافت کی بجائے بادشاہی نظام: اسلام میں قیادت کا حقیقی تصور تو بادشاہت کی بجائے خلافت کا ہی ہے۔ یعنی شوارئی نظام کے خلیفہ (امیر المسلمین) کا انتخاب کرنا۔ اگر یہ نظام موجود ہو تو جہاد سمیت اسلام کے دیگر اجتماعی مسائل بہتر انداز سے حل ہوجاتے ہیں۔ لیکن فی زمانہ یہ نظام باقی نہیں رہا اور اسکی جگہ بادشاہت نے لے لی ہے۔ اس ضمن میں پہلی اہم بات یہ ہے کہ ان حالات میں حکمرانوں

کی طرف سے عوام کی حق تلفیوں پر عوامی سطح پر آواز تو ضرور اٹھائی جائے گی، پُر امن احتجاج کیا جائے گا، لیکن حکمرانوں کے خلاف بغاوت نہیں جائے گی، الا کہ اعلانیہ اسلام کی حدود کو پامال کرنے کا حکم جاری نہ فرما دیں، صوم وصلوٰۃ... کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بن جائیں۔ کیونکہ حکومت کے خلاف بغاوت کا نتیجہ انتشار اور خون ریزی کے سوا کچھ نہیں۔

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے یوں رہنمائی فرمائی:

☆ ''جو اپنے حاکم کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، اسلئے کہ وہ بالشت برابر بھی حاکم کی طاعت سے نکلا تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

(بخاری، الفتن، رقم:7053، مسلم، رقم:1849)

☆ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد خود غرض حکمرانی ہوگی اور دیگر امور جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کی بابت کیا حکم فرماتے ہیں جو ہم میں سے یہ زمانہ پالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا وہ حق ادا کرنا جو تمھارے ذمے ہے اور جو تمھارے حقوق (حکمرانوں کے ذمے) ہیں، ان کا سوال تم اللہ سے کرنا۔'' (بخاری المناقب، رقم:3603، مسلم، رقم:1843)

معلوم ہوا حکمرانوں کی کوتاہیوں کے باوجود ہر ممکن انکی اطاعت کا ہی حکم ہے اور عوام کو ان کے خلاف خروج و بغاوت پر آمادہ کرنا جرم ہے۔ حکمرانوں کی اطاعت کی خلاف ورزی صرف اس صورت میں ہے جب وہ اعلانیہ اللہ ورسول ﷺ کے خلاف حکم جاری کریں:

''مسلمان مرد پر (اپنے حکمران کی بات) سننا اور ماننا فرض ہے، (خواہ) وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند، مگر یہ کہ اسے گناہ کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ جب اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر سننا اور ماننا فرض نہیں۔ (بخاری، الاحکام، رقم:7144، مسلم:1839)

<u>اب اگلا سوال کہ</u>: جب مسلم حکمران کما حقہ اسلام کے تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھنے والے ہوں، بلکہ دنیا پرستی کا شکار ہو چکے ہوں تو ان حالات میں عام لوگوں کیلئے جہاد کی نوعیت کیا ہوگی؟

ان حالات میں بھی انفرادی طور پر معاملہ اپنے ہاتھ لینے کی بجائے حکومتی قیادت کے تحت ہی جہاد کیا جائے گا کیونکہ انفرادی طور پر معاملہ اپنے ہاتھ لینے کا نتیجہ زیادہ خرابی کا باعث ہوگا۔ تاہم ناگزیر

حالات کے تحت مذہبی رہنما اہل حکام پر انکی ذمہ داری کیلئے زور ڈالیں گے اور باہم اتفاقِ رائے سے عوام کیلئے جہاد کا لائحہ عمل مرتب کریں گے۔

جنگ میں شمولیت کے متبادل جہاد کی شکلیں

جہاد میں سب سے بڑا تقاضا اور جہاد کی سب سے عظیم شکل تو تقاضے کے تحت کفار کے مقابلے میں میدان جنگ میں اُترنا ہی ہے، لیکن اس کے علاوہ وہ شکلیں جو صلے کے اعتبار سے کسی نہ کسی درجے میں جنگ کا نعم البدل بن کر جہاد میں شمار ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)۔ کلمہ حق پر قائم رہنا/جہاد بالنفس اوامر ونواہی کی بجا آوری، حدود کی پاسداری پر ہر قسم کے نقصان اور خوف وخطر کو مول لے کر حق پر قائم رہنا، نفس کو خواہشاتِ رذیلہ سے بچانا اور تقوی وتزکیہ پر کاربند رہنا بھی بڑا جہاد ہے جس پر کثرت سے دلائل موجود ہیں۔

(۲)۔ دعوت دین/جہاد بالقرآن: جان ومال کی پروانہ کرتے ہوئے قرآن حکیم اور سنت نبوی ﷺ کو بلاتعصب وتاویل من وعن تسلیم کرنا اور اسکے ابلاغ یعنی دعوت دین (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کے حوالے سے سچائی پر کھڑے رہنا۔ جان مال کے خوف کی بنا پر سچائی کی ترویج سے پیچھے نہ ہٹنا بلکہ اپنی جان، مال، وقت اور صلاحیتیں اللہ کیلئے پیش کردینا جہاد اکبر ہے (الفرقان:52)

(۳)۔ ہجرت اور جہاد بالمال: دین کو بچانے کیلئے بُرے علاقے وماحول سے بہتر جگہ کی طرف اللہ کیلئے ہجرت کرنا، اقامتِ دین یا مجاہدین کی اخلاقی ومالی معاونت کرنا بھی جہاد ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (التوبہ:20:9)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک ان کا درجہ ہے بہت بڑا اور یہی لوگ مراد کو پانے والے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کیا۔ اور جو کسی غازی کے گھر بار میں نائب بن کر رہا تو اس نے (بھی) جہاد کیا۔'' (بخاری:2843)

(۴)۔ تکلیف، بیماری میں ثابت قدم رہنا بھی جہاد ہے۔

(۵)۔ احادیث کی روشنی میں آفات وحادثات کی زد میں آ کر فوت والے اہل ایمان بھی ضمناً شہید تصور کئے جاتے ہیں۔

(۶)۔ حج بھی ایک جہاد ہے اور بالخصوص خواتین کیلئے حج مبرور کو حج اکبر قرار دیا گیا ہے۔

(۷)۔ معاشی بائیکاٹ: وہ کفار جو مسلمانوں کے جان ومال کے درپے ہو جائیں اور اہل ایمان کے خاتمے کیلئے برسرِ پیکار ہو جائیں انہیں معاشی طور پر کمزور کرنے کیلئے انکی پراڈکٹس کا حتی والامکان بائیکاٹ کرنا بھی ایک عملی جہاد ہے جو ہر مسلمان کر سکتا ہے۔ یہ ایک مستقل حکمت عملی ہے جس کے ذریعے ظالموں کو کمزور کیا جا سکتا ہے۔

(۸)۔ جان ومال کی حفاظت میں موت: روایات کے مطابق، اپنے اہل خانہ اور جان ومال کی حفاظت کی خاطر مارے جانے والے اہل ایمان کو ضمناً شہید کہا گیا ہے لیکن اس شہادت کا وہ درجہ نہیں جو دین کی خاطر میدان جنگ میں ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو (اہل ایمان) گھر والوں کی حفاظت کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے۔'' (نسائی:4099)

''جو (صاحب ایمان) شخص مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔'' (ترمذی:1419)

جنگ کی شرائط

قرآن وسنت کے اخلاقی قوانین کی روشنی میں جنگ کی درج ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں۔ جن باتوں کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے انکی دوبارہ سے یہاں وضاحت بیان نہیں کی جائے گی:

(۱)۔ مسلمان حتی الامکان مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کریں گے اور لڑائی کی پہل نہیں کریں گے۔ جیسا

کہ مکہ میں بدترین مظالم کے باوجود بھی جنگ ممنوع رہی کہ برسوں ظلم جھیلنے کے بعد لوگ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوگئے لیکن جنگ شروع نہ کی گئی۔لیکن جب جنگ کرنا ضروری ہوجائے تو پھر زندگی بچانے کیلئے جنگ سے گریز بھی نہیں کیا جائے گا بلکہ قوت وجذبے سے آگے بڑھا جائے گا۔

(۲)۔خالق نے آلات حرب سے جنگ کی تیاری کا پُر زور تقاضا کیا ہے:(انفال:60:8)۔لہٰذا جنگ کیلئے یہ ضروری ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی حربی قوت ایک خاص حد تک پہنچ جائے۔آپ ﷺ کے زمانے کے بعد دو کفار کے مقابلے میں ایک اہل ایمان (2:1) کی نسبت مقرر کی گئی تو اب اس سے بہتر تو نہیں ہوسکتی۔لہٰذا اس ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے ایمانی واخلاقی وجود کو محکم رکھنے کے ساتھ ساتھ سامان حرب کے جدید تقاضوں (سائنس وٹیکنالوجی) کے تحت تیاری کرنا ناگزیر ہے۔ہاں اگر کافر گلے ہی پڑ جائیں اور کسی طور پر بھی نہ ٹلیں تو اللہ کے بھروسے پر مقابلے کیلئے میدان میں اترنا ہی اترنا ہے،لیکن حالت امن میں بھرپور تیاری سے غافل نہیں رہنا۔

(۲)۔انفرادی طور پر لڑائی کی بجائے جنگ حکام/امیر المسلمین کی قیادت میں لڑی جائے گی۔

(۳)۔عزت وشہرت،دولت کی بجائے محض اللہ کی رضا کیلئے جہاد کیا جائے۔جنگ کیلئے نکلتے وقت اللہ کو کثرت سے یاد کیا جائے۔تکبر اور نمائش کا طرز نہ اپنایا جائے۔تواضع اور فروتنی کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔(انفال:47)

(۴)۔وہ لوگ جو جنگ میں کسی بھی وجہ سے غیر جانبدار رہنا چاہتے ہوں،انکے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے۔(نساء:90)

(۵)۔سول آبادی بالخصوص:خواتین،بچوں اور بوڑھوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔(بخاری:2853)

(۶)۔لوٹ مار نہ کی جائے۔(بخاری:2342)،(ابوداؤد:2705)

(۷)۔گری ہوئی لاشوں کو مسخ نہیں کیا جائے گا۔لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے،مثلہ نہ کیا جائے۔(ابوداؤد:2613)

(۸)۔عوام کیلئے راستے تنگ نہ کئے جائیں۔(ابوداؤد:2629)

(۹)۔باہمی معاہدات کی پاسداری کی جائے گی۔خواہ جنگ کا معاملہ ہو یا حالت امن کا خالق نے عہد

کی پاسداری پر بہت زور دیا ہے۔سورہ توبہ میں کفار کی بار بار عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کے ساتھ تمام معاہدات ختم کر کے آخری اقدام کا حکم دیا گیا، تاہم اگر کوئی معاہدہ وقت کی قید کے ساتھ کیا گیا تھا تو اسکی مدت کو لازماً پورا کیا جائے گا، جیسا کی فرمایا گیا:

''سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (اپنا عہد پورا کرنے میں) کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی، سو ان سے انکا عہد مقررہ مدت تک پورا کرو، یقیناً اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔'' (التوبہ:4:9)

تاہم اگر دوسری طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو تو پھر مسلمان کفار کے ساتھ کئے گئے عہد کو ان کے منہ پر مار سکتے ہیں یعنی توڑ سکتے ہیں۔

''پھر اگر کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو تم بھی برابری کے ساتھ علانیہ اسکا عہد اسکے آگے پھینک دو۔ یقیناً اللہ بدعہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الانفال:58:8)

یعنی انکے برابر کا اقدام کرنے کا مسلمانوں کو حق حاصل ہوگا نہ کی زیادتی کرنے کا۔

اسی بات کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی:

''جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اسکی مدت گزر جانے تک اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے، یا پھر خیانت کا اندیشہ ہو تو اسے برابری کے ساتھ علانیہ اسکے آگے پھینک دے۔'' (ترمذی:1580)

(۱۰)۔ملک میں موجود سفیروں (Ambassadors) کو نہیں مارا جائے گا۔

(۱۱)۔جنگی اسیروں کے ساتھ شفقت سے پیش آیا جائے گا۔

(۱۲)۔فصلیں/فروٹ وغیرہ تباہ نہیں کئے جائیں گے۔

(۱۳)۔عبادت گاہیں مسمار نہیں کی جائیں گی۔

(۱۴)۔جو غیر مسلم جزیہ دیں انکی حفاظت کی جائے گی۔

(۱۵)۔عورتوں کا ریپ نہیں کیا جائے گا۔

(۱۶)۔زخمی سپاہیوں کے علاج معالجے کا خیال رکھا جائے گا۔

(۱۷)۔دشمن اگر واقعتاً امن کا خواہش مند ہوتو جنگ روک دی جائے گی۔

(۱۸)۔کیمائی، بیالوجیکل، ہتھیاروں کوانسانوں/جانداروں پراستعمال نہیں کیا جائے گا۔

(۱۹)۔فتح پراللہ کاشکرادا کیا جائے گا نہ کہ ہلڑ بازی۔

جہاداوردہشت گردی (ناحق قتل وغارت) میں فرق

جہاداوردہشت گردی میں درج ذیل بنیادی فرق ہے:

(۱)۔جہادمعاشرے میں ظلم کے خاتمے اورامن وانصاف کے قیام کیلئے ،جبکہ دہشت گردی:امن وامان کوتہہ وبالا کرنے،،حقوق سلب کرنے اورظلم وبربریت کا موجب ہے۔

(۲)۔جہادایک انتہائی سنجیدہ ذمہ داری ہے جومخصوص شرائط وضوابط (Code of Conduct) کے تحت کیا جاتا ہے،جبکہ اسکے برعکس دہشت گردی میں کسی بھی قانون کی کوئی پراہ نہیں کی جاتی۔

(۳)۔جہادمیں جنگ کے نتائج کی ذمہ داری ریاست (State) لیتی ہے،جبکہ دہشت گردی میں لوگوں کےنقصان کی کوئی ذمہ داری نہیں لی جاتی۔

(۴)۔ظلم،برائی اورفتنہ وفساد کے خاتمے کیلئے کیا جانے والا راہ خدامیں جہادکا اللہ کی بارگاہ میں عظیم صلہ کا باعث، جبکہ دہشت گردی /ناحق قتل وغارت کی خالق نے سخت مذمت (Condem) کی ہے،جیسا کہ متنبہ کیا:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًاo﴾ (المائدہ:5:آیت:32)

''اسی سبب سے لکھ دیا تھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے کسی انسان کوخون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اورسبب سے قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کوقتل کر دیااورجس نے کسی ایک انسان کو بچایا،اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔''

الحمدللہ اولین درجے میں قرآن حکیم سے ٹھوس رہنمائی کی بنیاداوراسی کے موید سنت سے وضاحت

اور تطبیق کی بنیاد پر بلا تعصب دیانتداری کی بنا پر جہاد کی ''حقیقی نوعیت'' واضح کر دی گئی ہے۔تاہم اگر کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو تو وہ دانستاً نہیں بلکہ خطا کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔اس ضمن میں ہم اپنی اصلاح کیلئے ہر وقت تیار ہیں۔ٹھوس دلائل کی بنیاد پر اہل علم کی طرف سے رہنمائی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا اور اسکا کروڑ ہا شکر ہے جس نے ہم پر اپنا فضل و کرم فرمایا،اور اس اہم ترین تحریر کو تکمیل تک پہنچانے کی مہلت و توفیق دی۔

کروڑوں رحمتیں ہوں اللہ جل جلالہ کے پیارے حبیب **سیدنا مُحمد رسولُ الله** صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے اللہ کی خالص تعلیمات ہم تک پہنچا کر ابلیس کی ہر چال سے آگاہی فرما کر اپنی اُمت کو اس مکار دشمن سے بچانے کی راہ بتلائی۔

اس تحریر میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو،اُسے اللہ اپنے کمال فضل سے معاف فرمائے اور ہمارے پیارے والدین سمیت تعاون کرنے والے بھائیوں کے علم و عمل اور درجات میں اضافہ فرمائے۔

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

اللہ جل جلالہ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ جل جلالہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔''

((وما تو فیقی الاّ باالله))

۞۞۞۞۞

﴿حق کی تلاش میں: بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ﴾

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریباً ہر مکتبۂ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتبِ فکر کی
3۔جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمیؒ صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔جملہ تصانیف	ابو یحیٰ (ریحان احمد یوسفی) صاحب	6۔جملہ تصانیف	ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزاراتِ اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔ توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی، مسئلہ استغاثہ، الانتباہ للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12 ۔بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحیدِ خالص	الشیخ ابو محمد بدیعدین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی، فتوح الغیب	پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالیؒ صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویریؒ صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابوالقاسم قشیریؒ صاحب
19۔جملہ تصانیف	واصف علی واصفؒ، اشفاق احمدؒ	20۔جملہ تصانیف	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب
21۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؒ صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔جملہ تصانیف	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الحضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابوالحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحبؒ
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ	30۔جملہ تصانیف	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ	32۔جملہ تصانیف	مولانا مودودی صاحبؒ
33۔حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمٰن، روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب
36۔شیعت کا مقدمہ	حسن الامینی صاحب	37۔پھر میں ہدایت پا گیا	ڈاکٹر تجانی سماوی صاحب
38۔المرابحات 39۔آئینِ وہابیت	عبد الحسین شرف الدین موسوی صاحب استاد جعفر سبحانی	40۔پاکستان کے دینی مسالک 41۔امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ
42۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ	43۔امام اعظم اور علم الحدیث	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ
44۔جہاد پر جملہ تصانیف	مختلف سکالرز	45۔الحفظون	حافظ عبدالوہاب صاحب

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہو کر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت: 159)

ترجمہ: ''بیشک جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

(Email: khidmat777@gmail.com)

ہماری تحاریر

عنواناتِ دین کا خلاصہ: اس نایاب تحریر میں ساری کتابوں کا خلاصہ ایک جگہ ''ایک ٹاپک صرف ایک صفحہ پر'' جمع کر دیا گیا ہے۔

کتاب نمبر	ٹائٹل	کتاب نمبر	ٹائٹل
1	ہدایت: (ہدایت سے کیا مراد ہے اور یہ کسے نصیب ہوگی؟)	2	قرآن مجید کی حاکمیت: (احناف اور مالکیہ کے اُصولِ روایت کی روشنی میں عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ)
3	ہمارا اخلاقی زوال: (حقیقی وجوہات اور حل)	4	قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟
5	راہ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی: (دنیا پرستی اور نفس و شیطان کے حجابات پر حقائق)	6	رسالت کا حقیقی تصور: (راہِ فلاح کی دوسری گھاٹی: رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر آگاہی)
7	توحید کا جامع تصور: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: شرک کے مقابلے میں توحید پر جامع رہنمائی)	8	عبادت کا معنی مفہوم: (تفہیم عبادت پر ایک اہم کتابچہ)
9	ظلم عظیم پر جامع رہنمائی: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: غلاظتِ شرک پر جامع رہنمائی)	10	کائنات سے خالق کائنات تک: (وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل)
11	طاقتور ابلیسی دھوکے: (مکار ابلیس کی مزین کردہ انتہائی طاقتور چالوں سے آگاہی)	12	مجموعہ تحاریر: (مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر کا مجموعہ)
13	امت اسلامیہ کا اتحاد		

کتابچے (Booklets)

عام لوگوں کیلئے اہم موضوعات پر ضخیم کتابوں کی بجائے کتابچوں کی شکل میں مختصر تحاریر

1	ایمان ایک زندہ حقیقت (انمول تحفہ)	2	زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت؟
3	مقصدِ حیات	4	انسانیت کی عظیم ترین آفت (خواہشِ نفس)
5	بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات؟	6	اوامر و نواہی کی لسٹ
7	تلاشِ رب (اللہ کے قُرب کا یقینی راستہ)	8	تلاشِ خالق (وجودِ خالق کے یقینی دلائل)
9	توحید (لا الٰہ الّا اللہ)	10	رسالت (محمد الرسول اللہ)
11	حقوق العباد	12	پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل
13	پردہ: (پردہ کے ضمن میں مرد و عورت کیلئے قرآن و سنت کے احکامات)	14	اسلام کا قانونِ طلاق: (یک مجلسی تین طلاق کے ایک یا تین واقع ہونے پر اہم رہنمائی)
15	اسلام کا قانونِ جہاد		

پمفلٹ اور بروشرز

مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر: پمفلٹ اور بروشرز وغیرہ۔

استفادہ کیلئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

ویب سائٹ (Web Site) کا تعارف

سچی سچی رہنمائی (Pure Guidance)

اللہ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت لمبا عرصہ دین میں غوطہ زن رہ کر، سچائی کی بنیاد پر فہم دین کی بلاتعصب (بے رنگ شفاف عینک والے شیشوں سے) تمام مکاتب فکر سے استفادہ کی بنا پر (ضروری دین پر مشتمل اہم موضوعات) کو تحریری شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ کام درج ذیل بنیادوں پر کیا گیا ہے:

کام کی بنیاد

☆ فرقوں اور مسالک کی بجائے اسلام کی بالاتری، ☆ سچائی اور دیانتداری کا دامن تھامتے ہوئے، ☆ قرآن وسنت کے پختہ دلائل، ☆ انتہاء پسندی کی بجائے اعتدال کو ملحوظ رکھنا، ☆ فروعات کی بجائے بنیادی واصولی چیزوں کی ترجیح، ☆ سلف، آئمہ، بزرگانِ دین کے فہم سے استفادہ، ☆ عزت واحترام اور اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھنا، ☆ اہل اسلام کے اتحاد و یکجہتی کیلئے، ☆ مختصر، عام فہم، عامی لوگوں کی سطح پر مواد۔

کام کی تفصیل

قارئین کی آسانی کیلئے یہ تحریری مواد درج ذیل شکلوں میں مرتب کیا گیا ہے:

(1)۔ کتابیں (Books): دین کو گہرائی سے جاننے والوں کیلئے دلائل کی بنیاد پر تفصیلی رہنمائی پر مبنی کتابیں۔

(2)۔ کتابچے (Booklets): آسانی کیلئے، کم یعنی چند ضروری دلائل کی بنیاد پر مختصر کتابچے۔

(3)۔ پمفلٹ (Pamphlets): مزید آسانی کیلئے چند (پانچ، دس) صفحات پر مشتمل پمفلٹ۔

(4)۔ بروشرز (Inspiration): عوام الناس کیلئے ایک صفحہ پر مشتمل بروشر کی شکل میں انتہائی ضروری، اہم حقائق پر مبنی انتہائی مختصر مواد جسے بار بار دہراتے رہنے کی ضرورت ہے۔

(5)۔ سنہری اقوال (Golden Quotes): انتہائی مختصر چند سطور پر مبنی زندگی تبدیل کرنے والے سنہری اقوال۔

ویب سائٹ (Web Site)

یاد رکھیں! ہدایت اس پر کھلتی ہے جس میں سچائی جاننے کی شدید تڑپ ہو، پیاس ہو، جو بے قرار ہو۔ حقیقت تک رسائی کیلئے مذکورہ مواد درج ذیل ویب سائٹ پر موجود ہے۔ خود آگاہ ہو کر دوسروں کی آگاہی کا ذریعہ بنیں۔

(www.khidmat-islam.com)

جہاد کا موضوع ایک متنازعہ اور متروک مسئلہ بن چکا ہے۔ جس میں کفار کا عمل دخل تو ہے ہی لیکن مسلمانوں کی طرف سے علمی و عملی سطح پر بہت سی کمزوریاں بھی اسکا سبب ہیں۔ غلط فہمی کی سب بڑی وجہ اولین درجے میں ''قرآن حکیم'' اور پھر ''سنت کے پختہ دلائل'' سے جہاد کی اصل نوعیت کے تعین کا فقدان ہے۔ آپکے ہاتھ میں موجود اس تحریر میں محکم دلائل کی روشنی میں ''جہاد'' کی اہمیت وضرورت، اسکی شرائط، جہاد کی مختلف شکلیں اور اس کی ''اصل نوعیت'' کو واضح کیا گیا ہے۔ حقیقت سے آگاہ ہو کر دوسروں کی آگاہی کا ذریعہ بنیں۔

ہمارا عزم
(سچائی کی پیروی)

WWW.KHIDMAT-ISLAM.COM
KHIDMAT777@GMAIL.COM